وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ

(ترجمہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک مجسم علامت ہیں ۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رفع ونزول حدیثی و عقلی

روشنی میں

نزولِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

(مؤلف)

استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب

(ناشر)

سردار الحاج محمد میر عالم خان لغاری

(ادارہ)

ادارۂ نشریات اسلام ۔ رحیم یار خان (پاکستان)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

امابعد۔ ہمارا یہ پیش کردہ مضمون کتاب "ترجمان السنۃ" جلد سوم کا ایک باب ہے جسمیں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زندہ آسمانوں پر تشریف لیجانے اور قیامت کے قرب میں پھر آسمان سے تشریف لانے کے مسئلہ پر حدیثی اور عقلی ہر حیثیت سے تشفی بخش بحث کی گئی ہے۔ اس عظیم الشان پیشگوئی کا تعلق نہ تو کسی خاص زمانہ کے ساتھ ہے نہ کسی خاص زمانہ کیساتھ۔ بلکہ جب کبھی کسی نے مسیحیت کا دعویٰ کیا ہے تو ہمیشہ امت نے اس کو ان ہی حدیثوں کی روشنی میں پرکھا ہے اور یہی طریقہ معقول بھی ہے اب اگر ہم ان حدیثوں کے تمام الفاظ میں تاویلیں کرکے کسی ایسے شخص پر زبردستی اسکو چسپاں کرتے ہیں جس میں ان صفات

میں سے کوئی بھی صفت نہو تو پھر اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہم اس حدیثی مسیح موعود کی بجائے کسی دوسرے فرضی شخص کو مسیح موعود بنا رہے ہیں ظاہر ہے کہ مسیح موعود کی جو صفات حدیثوں میں بیان کی گئی ہیں وہ اسی مقصد سے بیان کیگئی ہیں کہ امت کے ہاتھوں میں ان کی معرفت کا ایک معیار ہوں۔ یہ ایک سیدھی سی بات تھی اور اس لئے کسی ایسے شخص کے متعلق جسمیں ان میں سے ایک صفت بھی نہو حتّٰی کہ یہ نام تک بھی نہو اس کی مسیحیت پر غور کرنا، اس کے دلائل سننا اور ان کے جوابات دینا یہ سب ایک لغو اور عبث مشغلہ تھا۔ بس مختصر بات یہ تھی کہ اگر اس مدعی میں حدیث کے بیان کردہ اوصاف موجود نہیں تو یہ ان حدیثوں کا مصداق بھی نہیں قبل از وقت مسیح موعود کا انتظار کر کے تھک جانا غلط ہے اور تھک کر کسی فرضی شخص کو مسیح موعود مان لینا یہ مہا غلط ہے۔ لیکن کیا کیجئے کہ جب دور فتن میں یہ سیدھی سی بات بھی سمجھنی مشکل ہو گئی تو علماء امت کو مجبوراً اسکی توضیح کیلئے کتابیں اور مضامین لکھنے پڑے۔ اسی غرض سے ترجمان السنہ کا یہ باب شکل رسالہ مستقل طور پر آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ جب حدیثوں میں مسیح موعود کے نام۔ انکا منصب اور ان کے محلِ نزول سے لیکر محلِ دفن تک کی پوری تاریخ وضاحت سے بیان میں آچکی ہے تو کیا اس کے بعد بھی کسی اور وضاحت کی

ضرورت باقی ہے۔ اور کیا ان تفصیلات کا مصداق کسی دوسرے شخص کو ۔۔ ایک صحیح العقل انسان کے نزدیک ممکن بھی ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مضمون سے مسلمانوں کے دلوں میں نورِ یقین اور مخالفوں کے دلوں میں نورِ ایمان پیدا فرمائے۔ آمین۔ من لم یجعل اللہ لہٗ نوراً فما لہٗ من نور

انّ فی ذٰلک لذکری لمن کان لہٗ قلب او القی السمع وھو شہید

رجب المرجب ۱۳۷۷ھ

محمد بدر عالم

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفع و نزول کے متعلق چند مختصر اور منصفانہ گذارشات

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع و نزول بیشک عالم کے عام دستور کے خلاف ہے لیکن ذرا پھر بھی تو غور فرمائیے کہ انکی ولادت کیا عالم کے عام دستور کے ... ہے۔ با ایں ہمہ اس اعجازی ولادت کا ذکر خود قرآن کریم نے فرمایا ہے پھر ان کا نزول عالم کے درمیانی واقعات میں سے نہیں۔ بلکہ عالم کے تخریبی علامات میں شمار ہے۔ اور تخریب عالم یعنی قیامت کی بڑی علامات میں سے ایک علامت بھی ایسی نہیں جو عالم کے عام دستور کے موافق ہو۔ لہذا اگر ان کے نزول کو قیاس کرنا ہی ہے تو عالم کے تعمیری دور کی بجائے اس کے تخریبی دور پر قیاس کرنا چاہئیے۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ صرف عام انسانوں کی موت پر قیاس کرکے طے کر دینا صحیح نہیں، کیونکہ عام انسانوں کی حیات و موت سے مذہبی عقیدہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اسلئے وہ صرف ظن و تخمین سے بھی طے کیا جاسکتا ہے

اس کے برخلاف اس اولوالعزم رسول کی موت وحیات کا مسئلہ ہے۔ جس سے مذہبی عقیدہ کا تعلق ہے۔ مزید براں یہاں ایک طرف کتاب و سنت کی تصریحات دوسری جانب نصاریٰ کی مذہبی تاریخ انکی حیات کی گواہی بھی دے رہی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ صرف قیاس سے کیسے طے کیا جا سکتا ہے۔

(۳) یہ بات بہت زیادہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیا میں بہت سے رسول گزر چکے ہیں بلکہ ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جنکو یہود ملعونوں نے قتل کیا ہے مگر ان کی موت میں کسی متنفس کو بھی اختلاف نہیں۔ پھر خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے معاملے میں بات کیا ہے کہ ان کی موت وحیات میں آج تک اہل اسلام میں بھی اختلاف موجود ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ ان کی موت کا معاملہ ضرور دوسروں سے کچھ مختلف ہے۔

(۴) لغت عرب میں موت کے لئے ایک صریح لفظ "موت" ہی موجود ہے پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ ان کے معاملہ میں قرآن کریم نے اس صریح لفظ کو کہیں استعمال نہیں فرمایا تاکہ ایک طرف ان کی موت کا مسئلہ طے ہو جاتا اور دوسری طرف ان کی الوہیت کا افسانہ بھی باطل ہو جاتا۔

(۵) یہ کتنی تعجب کی بات ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو آج تک انکی قبر کیسے لاپتہ رہی۔ بالخصوص جبکہ انکی امت میں موافق اور مخالف دونوں فریق کسی انقطاع کے بغیر مسلسل چلے آرہے ہیں۔ اس امت میں نہ معلوم کتنے اولیاء اللہ گزر چکے ہیں جنکی وفات کو بڑی بڑی مدتیں گزر چکی ہیں مگر ان کی قبریں لاپتہ ہونا تو درکنار اب تک وہ زندہ یادگاریں بنی ہوئی ہیں۔ پھر یہ کیسے قرین قیاس ہے کہ نصاریٰ کی اس فرط عقیدت کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر لاپتہ ہو جاتی۔

(۶) ہم ہرگز اس امر کے مجاز نہیں ہیں کہ ہم کسی اولوالعزم رسول کی اپنی جانب سے کوئی ایسی جدید تاریخ بنا ڈالیں جو اس کے موافق اور مخالف میں سے کسی کو بھی مسلم نہو اور نہ اس کیلئے کوئی خارجی قطعی ثبوت موجود ہو۔ مثلاً یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی دئے گئے مگر وہ اسپر مرے نہیں بلکہ کشمیر جاکر مدتوں کے بعد اپنی موت مرے۔ یہ ایک انکی ایسی جدید تاریخ ہے جسکا دنیا میں کوئی قائل نہیں۔ اور نہ اس کیلئے خارجی کوئی قطعی شہادت موجود ہے۔

(۷) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سلف صالحین کے دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی عقیدہ تھا کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ تو پھر تاریخی طور پر یہ ثابت کرنا

لازم ہوگا کہ مسلمانوں میں انکی حیات کا عقیدہ کب سے پیدا ہوا۔ یہ واضح رہنا چاہیے کہ نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی موت سب کے نزدیک بالاتفاق ثابت ہے جو موت کہ متنازعہ فیہ ہے وہ انکی گذشتہ موت ہے۔ پس اگر کسی کے قلم سے موت کا لفظ نکلا بھی ہو تو جب تک یہ بھی ثابت نہ کیا جائے کہ وہ انکی گذشتہ موت کا قائل ہے اور آئندہ نزول کا منکر ہے اسوقت تک صرف موت کا لفظ پیش کرنا بالکل بے سود ہے۔

(۸) حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معاملہ میں قرآنی آیتوں کی تفسیر صرف لغت کی مدد سے کرنی صحیح نہیں بلکہ اسپر بھی نظر رکھنی ضروری ہے کہ یہاں مدعیین کے بیانات کیا نقل کئے گئے ہیں۔ اور ان کے معاملے کی پوری روداد کیا ہے۔ پھر قرآنی فیصلہ وہ بھی اسی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

(۹) قرآن کریم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اصل لفظ جو قابل بحث ہے وہ "رفع" کا ہے۔ اس لئے اسی لفظ کو اس نے اپنے فیصلے میں لیا ہے۔ اور اسی پر زور دیا ہے۔ اور توفی کا لفظ اپنے فیصلے میں لیا ہی نہیں۔ یعنی وما قتلوه یقیناً بل رفعه الله الیه فرمایا ہے اور بل توفاہ اللہ نہیں فرمایا۔

(۱۰) حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے معاملہ میں زیر بحث انکا جسم ہی تھا۔ یہود اسکے قتل کے مدعی تھے اور نصارٰی اسکے رفع کے قائل تھے۔ روح کا معاملہ نہ زیر بحث تھا نہ یہ معاملہ زیر بحث آنیکے قابل تھا ظاہر ہے کہ روح کا معاملہ ایک غیبی و پوشیدہ معاملہ ہے۔ اسپر کوئی حجت قائم نہیں کیجا سکتی۔ نیز جبکہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی موت ابھی ثابت ہی نہیں ہے تو ان کی روح زیر بحث آ ہی کیا سکتی ہے اسکے علاوہ رفع روحانی میں جب عام مومنین بھی شریک ہو سکتے ہیں تو انبیاء علیہم السّلام کے متعلق اس میں شبہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔

(۱۱) یہ بات بڑی اہمیت کے ساتھ غور کرنے کے قابل ہے کہ جب دوسرے انبیاء علیہم السّلام کا مقتول ہونا قرآن کریم نے خود تسلیم کر لیا ہے۔ حالانکہ انکے قاتلین بھی یہی یہود تھے جو یہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قتل کے مدعی تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اگر کسی کے مقتول ہونے سے اس کے رفع روحانی میں شبہ پیدا ہو سکتا تھا تو قرآن کریم نے ان کے رفع روحانی کی تصریح نہیں کی اور خاص حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بارے میں یہ تصریح کیوں ضروری سمجھی ہے۔ حالانکہ دیگر انبیاء علیہم السّلام کے قتل سے بھی ان کا مقصد انکے رفع روحانی کا انکار کرنا تھا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسیکا مقتول ہو جانا اس کے لعنتی ہونے کا ہرگز ثبوت نہیں بن سکتا۔ ورنہ دوسرے

مقتول انبیاء علیہم السّلام کا لعنتی ہونا ماننا پڑے گا۔ والعیاذ باللہ

(۱۲) یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب یہود نے انا قتلنا کہا (یعنے ہمنے انکو یقیناً قتل کرڈالا ہے) تو قرآن کریم نے انکی تردید میں دو بار "وما قتلوہ" فرمایا (یعنی ہرگز انکو قتل نہیں کیا) لیکن جب عیسائیوں نے "ان عیسیٰ رفع کہا یعنی (عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے) تو اس نے ایک بار بھی (وما رفع) نہیں فرمایا۔ یعنی (وہ ہرگز نہیں اٹھائے گئے) بلکہ بل رفعہ اللہ الیہ کہکر انکی اور تائید فرمادی۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اتنی بات میں یعنی ان کے رفع کے بارے میں نصاریٰ کا عقیدہ درست تھا۔

(۱۳) قرآن کریم سے کہیں معلوم نہیں ہوتا کہ اہل کتاب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مقدمہ کبھی آپکے سامنے پیش کیا تھا بلکہ ان کے نزدیک وہ پیش کرنیکے قابل ہی نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ جو فریق ان کے قتل کا یقین رکھتا ہو۔ وہ انکے نزول کی بحث ہی کیا کرسکتا تھا۔ ہاں جو فریق ان کے رفع جسمانی کا مدعی تھا وہ لازمی طور پر ان کے نزول کا بھی قائل تھا۔ پس براہ راست ان کے نزول کا مسئلہ نہ ان کے نزدیک قابل بحث تھا نہ اُن کے نزدیک۔ لہٰذا جب اسوقت یہ مسئلہ زیر بحث ہی نہ تھا تو قرآن کریم اس صریح لفظ کے ساتھ اسپر کیا بحث کرتا۔ اس لئے یہ خیال کتنا غلط ہے کہ قرآن کریم میں چونکہ نزول کا صریح لفظ کہیں موجود نہیں اس لئے انکا نزول قابل تسلیم

نہیں - جی ہاں جہاں رفع کا لفظ موجود تھا کیا آپنے اسکو مان لیا - ؟

(۱۴) قرآن کریم اور حدیث پر سرسری نظر ڈالنے سے ہمکو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہاں قرآنِ کریم کسی خاص مقصد سے بحث کا ایک پہلو لے لیتا ہے وہاں حدیث فوراً اسکا دوسرا پہلو اپنے بیان میں لے لیتی ہے - اور اسطرح اس کے دونوں پہلو سامنے آجاتے ہیں - اور درحقیقت حدیث کے بیان ہونیکا یہی منشاء بھی ہے - اسی اصول کے مطابق چونکہ قرآنِ کریم نے یہاں صرف حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے رفع کا پہلو لے لیا تھا اس لئے حدیث نے اسکا دوسرا پہلو یعنی نزول کا لے لیا ہے اور اسکو اتنا روشن کیا ہے - اسکی اتنی تفصیلات بیان فرمائی ہیں اور اسکو اتنا پھیلایا ہے کہ اس کے بعد قرآن کریم میں رفع سے جسمانی رفع کے سوا روحانی رفع کا احتمال ہی باقی نہیں رہتا - ظاہر ہے کہ حدیثوں میں جو تفصیلات حضرت عیسٰی علیہ السَّلام کے نزول کی مذکور ہیں ان میں جسمانی نزول کے سوا دور کا بھی کوئی دوسرا احتمال نہیں لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ جو شخص اپنے جسم کے ساتھ اترےگا وہ ضرور اپنے جسم ہی کے ساتھ اٹھایا گیا تھا - اور اسیطرح اب آپ جتنا قرآنی رفع کو حدیثی نزول اور حدیثی نزول کو قرآنی لفظ رفع کے ساتھ ملا ملا کر پڑھتے جائینگے اتنا ہی آپ پر یہ روشن ہوتا چلا جائیگا کہ جو شخص جسم کے ساتھ اُتریگا وہ ضرور اپنے جسم ہی کے ساتھ اُٹھایا گیا تھا - اور جو جسم کے ساتھ اٹھایا گیا تھا وہ ضرور اپنے جسم ہی

کے ساتھ اترے گا۔

(۱۵) یہ سوال بھی کتنا عجیب ہے کہ اگر حضرت عیسٰی علیہ السّلام اپنے جسم ہی کے ساتھ نازل ہونگے تو کیا لوگ انکو اپنی آنکھوں سے اترتا ہوا بھی دیکھینگے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ سوال انکے آسمان پر جانے کے متعلق ہو سکتا ہے تو ان کے اترنے کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہوگی جیسا یہ کہا جائے کہ اگر عرش بلقیس حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس آنا تسلیم کر لیا جائے تو کیا اسکو لوگوں نے اڑتا ہوا بھی دیکھا تھا۔ یا مثلاً اگر شق القمر کا معجزہ تسلیم کیا جائے تو کیا اس کو دو ٹکرے ہو کر اسکا پھر ملجانا عام لوگوں نے دیکھا تھا پس جو حیثیت اس سوال کی ان ثابت شدہ واقعات میں ہوگی وہی حیثیت اسکی عیسٰی علیہ السلام کے معاملہ میں سمجھنی چاہئے۔

(۱۶) یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ جب کوئی واقعہ اپنے دلائل کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے تو اسیں ضمنی اختلافات کا پیدا ہونا اسکی واقعیت پر ذرا اثر انداز نہیں ہوتا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت اور آپ کی عمر شریف میں بھی اختلافات منقول ہیں مگر اسوجہ سے آپکی ولادت یا آپکی وفات میں کوئی ادنیٰ شبہ پیدا ہو سکتا ہے پھر یہ کتنی ناانصافی ہے کہ اگر حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بارے میں راویوں نے بعض غیر متعلق باتوں میں اختلاف کیا ہے تو اسکی وجہ سے ایک متفق علیہ واقعہ کا بھی انکار

کر دیا جائے۔ کیا نماز کی ہیئت یا زکوٰۃ اور روزے اور حج کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر کیا اس کی وجہ سے ان کے ثبوت بلکہ ان کی رکنیت میں کسی مسلمان کو ادنیٰ شبہ ہے۔

(۱۷) دین اسلام کا یہ بھی ایک طغرۂ امتیاز ہے کہ اس کے بیانات میں غیر متعارف مجازات اور نامانوس استعارات کا کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اور درحقیقت ایک آخری دین کی یہی صفت ہونی بھی چاہئے۔ اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ ہیں جنکے ہاں بات بات میں استعارات حتّٰی کہ توحید جو کہ اصول دین میں داخل ہے اسمیں بھی مجاز و استعارہ کا دخل موجود ہے۔

(۱۸) صریح الفاظ کی تاویل کرنی کبھی مبارک نہیں ہوئی اسی منحوس عادت کی بدولت یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صریح پیشگوئیوں کے منکر ہو گئے اور اسکی بدولت یہود نے پہلی بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسیح ہدایت ہونے کا انکار کیا اور آخر میں انکی بجائے دجال کی تصدیق کرینگے۔ یعنی اسکو مسیح ہدایت مانیں گے لہٰذا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی اس صاف پیشگوئی میں پھر وہی تاویل کی راہ اختیار کی گئی تو وہ بھی ہرگز مبارک نہیں ہو گی۔ اور اس کا نتیجہ یہی نکلیگا کہ جب مسیح برحق نازل ہوں تو انکا انکار کر دیا جائے۔ اور اگر بالفرض ان صریح بیانات کی

تاویل کرنی بھی درست ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہود و نصاری آپ کی آمد کی پیشگوئیوں میں تاویل کرنے میں معذور ٹھہرائے جائیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(۱۹) آخر میں یہ تنبیہ کرنی ضروری ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معاملہ میں انکی حیات و وفات پر بحث کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان اگر ان کی حیات کے قائل ہیں تو وہ صرف ان کی عام حیات کے قائل نہیں بلکہ اس حیات کے قائل ہیں جو رفع کے بعد اس وقت بھی آسمانوں میں ان کو حاصل ہے۔ اسی طرح یہود اگر ان کی موت کے قائل ہیں تو وہ بھی ان کی عام موت کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس موت کے قائل ہیں جو خود ان کے فعل سے واقع ہوئی ہے۔ اب اگر آپ ان کی حیات و موت کو رفع و قتل کی بحث سے الگ کر کے دیکھیں تو پھر خود انصاف فرمائیے کہ اسکی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ جس بات سے کہ ان کی حیات و موت کی اہمیت پیدا ہو جاتی ہے وہ صرف ان کے رفع و قتل کا مسئلہ ہے اس لئے یہاں حیات و وفات کو اصل موضوع بنائے رکھنا بالکل ایک عبث مشغلہ ہے۔ اور اسیطرح اسکی جواب دہی میں مصروف رہنا بھی اضاعت وقت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بھی ان کے رفع و قتل ہی کو موضوع بحث بنایا ہے اور صرف حیات و موت کو بحث کے قابل نہیں سمجھا۔

رجب المرجب سنہ ۱۳۷۶ھ

بندہ
محمّد بدر عالم
نزیل مدینہ منورہ

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگذشت کے متعلق

چند جدید علمی اور منصفانہ نکات قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور عالمی تعمیری نظم و نسق کی ...

اسکے ... نظم و نسق پر قیاس کرنا چاہیے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ میں رفع و نزول کی سرگذشت بے شک عجیب ہے۔ لیکن اسپر غور کرنے سے قبل سب سے پہلے یہ سوال سامنے رکھنا چاہیے کہ یہ مسئلہ کس دور اور کس شخصیت کیساتھ متعلق ہے۔ کیونکہ دنیا کے روزمرہ معمولی واقعات بھی زمانہ اور شخصیتوں کے اختلاف سے بہت مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی تصدیق و تکذیب میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی زمین پر ایک خطہ زمین ایسا بھی ہے جہاں مہینوں کی رات اور مہینوں کا دن ہوتا ہے اور ان ہی سمندروں میں ایک سمندر ایسا بھی ہے جس پر مسافر خشکی کی طرح سواریوں پر چلتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کا اختلاف بھی ہے ظاہر ہے کہ شجاعت و طاقت اور دانائی و فرزانگی کے وہ بعید سے بعید کارنامے جو رستم و اسفندیار انور بے اور ہٹلر، اسٹالن اور لینن وغیرہ کے حق میں بے تامل قابل تصدیق سمجھے جاتے ہیں۔ وہ عام انسانوں کے حق میں بڑے تامل کے بعد بھی مشکل قابل تصدیق ہو سکتے ہیں پس صرف عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے یا صرف اپنے دور اور اپنے زمانہ کے

حالات پر قیاس کر کے کسی صحیح واقعہ کا انکار کر دینا کوئی معقول طریقہ نہیں ہے۔

لہٰذا مسئلہ نزول پر بحث کرنے کے وقت بھی سب سے پہلے اس پر غور کر لینا ضروری ہے کہ یہ واقعہ کس دور اور کس زمانہ سے پھر کس شخصیت سے متعلق ہے۔

جب آپ ان دو سوالوں پر محققانہ نظر ڈالیں گے تو پوری وضاحت سے یہ ثابت ہو گا کہ یہ واقعہ تخریب عالم یعنی قیامت کے واقعات کی ایک کڑی ہے اور تخریب عالم کا ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو عالم کے تعمیری دور کے واقعات سے ملتا جلتا ہو۔ پس اگر تخریب عالم کے وہ سب واقعات جو تعمیر دنیا کے بعد کے واقعات سے مختلف ہونیکے باوجود قابل تصدیق ہیں تو پھر اس ایک واقعہ کی تصدیق میں آپکو تامل کیوں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں واقعات اتنے عجائبات پر مشتمل ہیں کہ جو انسان ان دونوں جانبوں سے غائب ہے وہ صرف اپنے موجودہ حالات کی دنیا دیکھکر انکا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ عالم کی تخلیق کے واقعات پر ذرا نظر ڈالیں زمین کسطرح بنائی گئی، پھر کسطرح بچھائی گئی، آسمان کسطرح بنائے گئے، آدم کسطرح پیدا ہوئے، انکا جوڑا کسطرح پیدا ہوا، پھر کسطرح خلافت ارضی قائم ہوئی۔ اسی طرح بہت سے واقعات اور ہیں جو ایک سے ایک عجیب ہیں اور ان سب ہی کے بیان کی ذمہ داری خود قرآن کریم نے اپنے سر رکھی ہے۔ اگر آپ ان میں سے

ایک واقعہ بھی عالم کے تعمیری دور کے نظم ونسق سے ملا کر دیکھیں تو آپکو ان میں سے ایک واقعہ کے فہم میں بھی سخت الجھن پیش آئیگی۔ اور اسی بناء پر ایک جماعت نے تو سرے سے تخلیق عالم ہی کا انکار کر کے قدم عالم کا راستہ لے لیا ہے مگر آپ کے نزدیک کیا اس کا یہ طریقہ کار صحیح ہے؟

اسی طرح جب آپ تخریب عالم کے واقعات پر نظر ڈالیں گے تو وہ بھی عجیب در عجیب ہی نظر آتے ہیں یعنی کبھی نہ پھٹنے والے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے آفتاب و ماہتاب اور یہ تمام روشن ستارے بے نور ہو کر گر پڑیں گے اور کبھی جنبش نہ کرنے والے یہ بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے نظر آئینگے اور یہ سارا کا سارا عالم ہستی عدم محض اور صرف نیستی کے تحت آجائے گا یہ اور ان جیسے بہت سے عقل سے بالاتر واقعات کے بیان کی ذمہ داری بھی خود قرآن کریم ہی نے اٹھائی ہے۔ اب اگر آپ ان کی تصدیق کا فیصلہ موجودہ عالم کے واقعات پیش نظر کرنے بیٹھ جائیں تو کیا آپ کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں گے۔ لیکن ہاں جب آپ عالم کی تخلیق اور اس کی تخریب کے دونوں سرے ملا کر دیکھیں گے تو دونوں کو بالکل یکساں صورت میں نظر آئیں گے۔

پس چونکہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کا مسئلہ بھی عالم کے درمیانی

واقعات کا مسئلہ نہیں بلکہ تخریب عالم کے واقعات کی ایک اہم کڑی ہے اس لئے اپنی جگہ وہ بھی معقول ہے ظاہر ہے کہ جب تمام مردوں کو زندہ ہو ہو کر ایک میدان میں جمع ہونے کا زمانہ قریب آرہا ہو تو اس سے ذرا قبل صرف ایک زندہ انسان کا آسمانوں سے زمین پر آنا کونسی بڑی بات ہے۔ بلکہ اس طویل گمشدگی کے بعد یہ جسمانی نزول مجموعۂ عالم انسانی کے جسمانی نشأۃ ثانیہ کے لئے ایک بدیہی اور محکم برہان ہے۔ اسلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے وانہ لعلمٌ للساعۃ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک مجسم علامت ہیں در منثور میں حضرت ابن عباسؓ اور حسنؓ اور قتادہؓ سے منقول ہے کہ اس آیت کا مصداق قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہے۔

اس کے بعد جب آپ اسپر غور کریں گے کہ یہ پیشگوئی ہے کس شخصیت کے متعلق، وہ شخصیت کسی عام بشری سنت کے تحت کوئی بشر ہے یا ان سے کچھ الگ ہے تو آپ کو یہی ثابت ہوگا کہ وہ صرف عام انسانوں ہی سے نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں بھی سب سے الگ اور سب سے ممتاز خلقت کا بشر ہے جتنے انسان ہیں وہ سب مذکر و مؤنث کی دو صنفوں سے پیدا ہوئے ہیں مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ایسے انسان ہیں جنکی تخلیق صرف ایک صنف انسانی سے وجود

میں آئی ہے۔ پھر اس میں تمثّل جبرئیلی اور نفخہ ملکی اور تکلم فی المہد کے واقعات بھی عجیب تر ہیں۔ ان کے معجزات دیکھئے تو وہ بھی کچھ نرالی شان رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر معجزہ ایسا ہے جس میں "باذن اللہ" کی قید ہے۔ ان کے گذشتہ دور حیات میں ملکیت کا اتنا غلبہ ہے کہ کھانے پینے، رہنے سہنے، شادی نکاح کا کوئی نظم و نسق ہی نہیں ملتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا وہ ان سب ضروریات سے منزّہ و مبرّا مسیح بن کے ایک فرشتہ ہیں۔ پھر جب انکی ہجرت کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو یہاں بھی ان کی شان سب سے نرالی نظر آتی ہے یعنی ان کی ہجرت کسی خطہ ارضی کی بجائے اس عالم کی طرف ہوتی ہے جو ملکوت اور ارواح کا مستقر ہے۔ غرض ان کی حیات کے جس گوشہ پر نظر ڈالئے وہ ملکوتیۃ کا ایک مرقع نظر آتا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے جو لقب ان کو عطا فرمایا ہے وہ بھی سب سے ممتاز ہے۔ اور اس نوع کا لقب ہے جس سے کہ ان کی زندگی کی یہ سب خصوصیات اجمالی طور پر بیک نظر سامنے آجاتی ہیں۔ یعنی "روح اللہ" اور "کلمۃ اللہ"۔ گو بنی آدم جتنے بھی ہیں ان سب کی روح میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف در اسی کے حکم کن سے وجود میں آئی ہیں۔ مگر یہاں اس روح کی آمد میں کوئی ظاہری واسطہ بھی نہ تھا اور جو واسطہ تھا وہ ایسا ہی تھا جس کے موجود ہونے عالم قدس

کی طرف ان کی نسبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تمام کا تمام وہ تذکرہ حیات ہے جو ان کے آسمانوں پر جانیسے قبل سے متعلق ہے۔ اب آپ نازل ہونیکے بعد انکے حالات پر نظر ڈالئے تو وہ پہلی زندگی کے بالکل برعکس ہیں۔ یہاں ان کے تمام معاملات میں دنیا کا مرتب نظم ونسق ملتا ہے حتیٰ کہ نکاح وولادت کا بھی اور اس سے بھی بڑھکر ان کی حیثیت ایک امام وامیر کی ثابت ہوتی ہے۔ گویا وہ انسانوں کبھی کوئی معمولی طبقہ کے انسان نہیں۔ بلکہ اس اعلیٰ طبقہ کے انسان ہیں جن کی قیادت میں اسفل طبقہ کے انسان ترقی کرکے اعلیٰ طبقہ کے انسان بن سکتے ہیں غرض انکی حیات کے یہ دو دور تمامتر قدرت کے ان عجائبات سے مشابہ ہیں جو عالم میں دستِ قدرت کے براہ راست پیدا کردہ ہیں۔ وہ بیک وقت بن باپ پیدا ہوکر آغاز عالم کے واقعات میں حضرت آدم علیہ السلام کے مشابہ ہیں۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم اور اتنی طویل غیبت کے بعد عالم کے خاتمہ پر جسمانی نزول فرماکر علامات قیامت میں بھی شمار ہیں۔ وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا، اگر ایک طرف اپنی پہلی حیات میں آسمانوں پر جاکر وہ فرشتوں سے مشابہ ہیں تو دوسری طرف نزول کے بعد موت اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوکر عام انسانوں کی صف میں بھی داخل ہیں۔ اگر پہلی زندگی میں انکا معجزہ احیاء موتی ہے تو نزول

کے بعد دوسرے دورِ حیات میں اماتہ دجال یعنی قتل دجال ہے۔ ان کی یہ تمام سوانح حیات قرآن کی بیان کردہ ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء آیت وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ الخ آئندہ ان کی وفات ان کے نزول کی شاہد ہے۔ جیساکہ آئندہ اسکی تشریح آئیگی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک انسان کا آسمانوں پر زندہ جانا اور زندہ رہنا اور آخر زمانہ میں پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ اُترآنا عام انسانوں کی سنت سے اور نہ زمانہ کے عام واقعات کے موافق ہے لیکن اگر آپ یہ دو باتیں ملحوظ رکھیں کہ یہ مسئلہ تخریب عالم کا ایک مقدمہ ہے اور یہ بھی اس شخصیت کے متعلق جس کے دیگر حالات زندگی بھی عالم کے عام دستور کے موافق نہیں تو پھر بنظر انصاف اس میں آپ کو کوئی تردد نہ ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو حضرت آدم علیہ السّلام سے تشبیہ دیکر یہ واضح کردیا ہے کہ انکی ہستی کو عالم کے درمیانی سلسلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اگر ان کے حالات کو قیاس کرنا ہی ہے تو تخلیق عالم کے حالات پر قیاس کرکے دیکھو تمہارا سب تعجب جاتا رہے گا۔

حیرت ہے کہ دنیا کو ایک اولوالعزم رسول کے آسمانوں پر اٹھائے جانے پر ایسے دور میں بھی تعجب ہو رہا ہے جس میں کہ قمر صناعی آنکھوں سے مشاہد میں آچکا ہے پھر رسول بھی وہ جس کی جسمانی مسافت ہی میں آسمانوں کی طرف کشش موجود ہے۔ آخر خدا تعالیٰ کے مقدس فرشتے لیل ونہار آسمانوں پر آتے جاتے ہیں۔ پس اگر کوئی جبریلی خصوصیات کا رسول آسمانوں پر چلا گیا ہے تو اس میں حیرت کی بات کیا ہے مگر یہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں میں بھی ایسے افراد ملتے ہیں جن میں اس خصوصیت کا کچھ نمونہ نظر آتا ہے صحیح بخاری جیسی کتاب میں عامر بن فہیرہ کی نعش کا وفات کے بعد آسمانوں میں پوشیدہ ہو جانا صحیح طور پر ثابت ہے جس کا مشاہدہ ایک غیر مسلم کو بھی ہوا تھا حتیٰ کہ وہی اس کے اسلام کا باعث بن گیا تھا۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں اس قسم کے چند واقعات اور بھی نقل فرمائے ہیں جن کی تفصیل ترجمان السنہ جلد چہارم کے باب کرامات میں کی جائے گی (انشاء اللہ تعالیٰ)

اصل یہ ہے کہ مادی عقل کے نزدیک کچھ یہی ایک مسئلہ نہیں ہے جو زیر انکار آ رہا ہو بلکہ عالم غیب کے تمام حقائق ہی زیر انکار ہیں اور در حقیقت یہ عقل ونقل کی اصولی جنگ کا ثمرہ ہے ارباب عقل یہ سمجھتے ہیں کہ اخبار انبیاء علیہم السلام سب خلاف عقل ہوتے ہیں اور اصحاب نقل یہ سمجھتے ہیں کہ جو بات بھی عقلی ہو وہ سب شریعت کے خلاف ہوتی ہے یہ نزاع وجدل

درحقیقت عقل و شرع کا صحیح مفہوم متعین نہ کرنے سے پیدا ہو رہا ہے
حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں "کون نہیں جانتا کہ قرآن و سنت نے
جا بجا عقل کی تعریف فرمائی ہے بلکہ اپنی دعوت کا مخاطب ہی صرف
اہل فہم اور اہل عقل کو قرار دیا ہے۔ مجنون اور بچے اس کی دعوت کے احاطہ
سے ہی باہر ہیں لیکن جب بعض اہل بدعت نے بعض کلامی مسائل کو جو
دراصل قرآن و سنت کے بھی خلاف تھے اصول دین میں داخل کر دیا
اور اس کا نام عقلیات رکھا تو اب اہل شرع کو عقلیات کے نام سے ایسی
نفرت پیدا ہو گئی کہ جو شخص بھی عقلی استدلال کرتا نظر آتا ان کے نزدیک
بدعتی اور باطل پرست سمجھا جاتا دوسری طرف جب عقلاء نے اہل شرع
سے وہ مسائل سُنے جو صریح عقل اور یقینی تاریخ کے خلاف تھے اس پر ان کا
یہ دعویٰ سنا کہ وہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ ہیں تو ان کے دلوں میں نفس
قرآن و سنت ہی کے متعلق خلاف عقل ہونے کی بدگمانی بیٹھ گئی حتیٰ کہ
اب جو قرآن و سنت سے استدلال کرتا ان کے نزدیک قانون فطرت اور
تقاضۂ عقل کا مخالف ہوتا یہاں غلطی دونوں فریق کی ہے عقلاء کی غلطی
یہ ہے کہ انھوں نے تحقیق کئے بغیر ہر خلاف عقل بات کا نام شرع
کیوں رکھ دیا اور علماء کی کوتاہی یہ ہے کہ انھوں نے جو عقل صحیح کا تقاضہ
نہ تھا اس کو شرع کے مفہوم میں کیسے داخل کر دیا حالانکہ شریعت
کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو عقل سلیم کے نزدیک قابل انکار ہو یا
محالات کی تعریف میں آتا ہو۔ لیکن جب کسی ابتدائی غلطی پر کچھ مدت

گذر جاتی ہے تو وہ غلطی راسخ ہوتے ہوتے عقائد کا رنگ پیدا کر لیتی ہے اور جو کسی صحیح حقیقت پر نتائج و آثار مرتب ہوتے ہیں۔ وہی اس غلطی پر مرتب ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے اگر مسائل پر گفتگو کرنے سے قبل عقل و شرع کا صحیح صحیح مفہوم متعین کر دیا جائے تو عقلاء اور علماء کے درمیان بحث و جدل کا یہ وسیع میدان بہت تنگ ہو سکتا ہے۔

علماء ہر خلاف عقل بات کو شرع کے مفہوم میں داخل کرنے کی سعی کرنا ترک کر دیں اور عقلاء شرع کی ہر بات پر خلاف عقل ہونے کی بدگمانی دل سے نکال ڈالیں اور عقل و فکر کا کوئی صحیح معیار مقرر کر لیں (الکتاب المحبوب ۱۲)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ مسئلہ قابل تسلیم نہیں ہے تو پھر آپ کو بھی ایک فیصلہ کرنا ہوگا کہ عالم کی تخلیق و تخریب کے دوسرے تمام واقعات بھی قابل تسلیم نہیں ہیں اور اگر وہ سب قابل تصدیق ہیں تو پھر یہ مسئلہ بھی قابل تصدیق ماننا ہوگا۔ صرف اس لئے کہ آغاز عالم کے تعمیری واقعات سے آپکی زندگی کا اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا یا مستقبل بعید کے تخریبی واقعات کے ساتھ موجودہ دور کے انسانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے ان سب سے صرف نظر کر کے بحث کا رخ صرف مسئلہ نزول میں منحصر کر دینا اپنے نفس کو بھی مغالطہ میں رکھنا ہے اور دوسروں کو بھی مغالطہ میں ڈالنا ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جزئی معاملات کی اہمیت

واضح رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اس لحاظ سے بھی سب میں ممتاز ہے کہ انکے جزئی جزئی واقعات کو

بھی قرآن کریم نے اصولی معاملات کی سی اہمیت دی ہے مثلاً ان کی ولادت کا معاملہ یہ ایک جزئی معاملہ ہے مگر ان کی ولادت کو بھی قرآن کریم نے بڑی اہمیت سے ذکر کیا ہے۔ یعنی فرشتہ کا بصورت بشری آنا اور اپنی آمد کی غرض و غایت بتانا اسپر حضرت مریم کا ناکتخدائی کی حالت میں ولادت پر تعجب ظاہر کرنا پھر فرشتہ کا جواب اور اس کے بعد ان کے گریبان میں پھونک مارنا یہ سب تفصیلیں بیان کی ہیں حتیٰ کہ ان کی والدہ کا دردِ زہ بھی پھر ولادت اور اسپر لوگوں کی چہ میگوئیاں بھی ظاہر ہے کہ ان سب معاملات میں سے کس معاملہ کو اصولی اور بنیادی کہا جاسکتا ہے، مگر کیا ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی ہے جس کو آپ صرف ایک جزئی معاملہ کہکر ٹال سکتے ہوں۔ اور جسپر عقیدہ رکھنا کوئی ضروری بات نہو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے نزول کے اہم واقعہ کو صرف ایک جزئی معاملہ کہہ کر آپ کیونکر عقائد کی فہرست سے خارج کر سکتے ہیں۔

مسئلہ نزول کی حیثیت کتبِ عقائد میں۔ یہی وجہ ہے کہ شروع سے لے کر آجتک کتب عقائد میں اس مسئلہ کو بھی دیگر عقائد کے ساتھ ساتھ ایک عقیدہ ہی شمار کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ محدثین نے جو مولفات ترتیب دی ہیں گو ان کو عقائد کی شکل پر ترتیب نہیں فرمایا ان کے مقاصد دوسرے ہیں لیکن اس کے باوجود امام مسلم نے جن کی کتاب

کو بلحاظ ترتیب بخاری شریف پر بھی فوقیت دی گئی ہے نزول عیسیٰ علیہ السّلام کو ابواب ایمان کا ایک جزء قرار دیا ہے پھر یہ کہنا کتنی کوتاہ نظری ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السّلام کا مسئلہ چونکہ ایک جزئی مسئلہ ہے اس لئے اس کو عقائد اور ایمانیات کا مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔ معجزات کی بحث میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس پر اور مبسوط بحث کریں گے کہ رسولوں کی اخبار پر ایمان رکھنا یہ جزئی مسئلہ نہیں بلکہ ایک بنیادی مسئلہ ہے رہا خاص نزول حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا مسئلہ تو اس کو اس حیثیت کے علاوہ رسالت اور قیامت کے مسئلہ سے بھی براہ راست تعلق ہے جیسا کہ عنقریب اسکی تفصیل آنیوالی ہے۔ یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ ذات وصفات، قضاء و قدر، حشر ونشر اور رؤیۃ باری تعالیٰ وغیرہ جن مسائل کو بے چون وچرا عقائد میں داخل سمجھا گیا ہے ان میں تو کافی اختلافات بھی ملتے ہیں چنانچہ معتزلہ ان سب مسائل میں اہل سنت والجماعت سے اپنا علیحدہ خیال رکھتے ہیں حتیٰ کہ اشاعرہ و ماتریدیہ کے مابین بھی بعض مسائل میں ضرب المثل اختلاف موجود ہے لیکن اس کے باوجود ان مسائل کو کسی نے عقائد کی فہرست سے خارج نہیں کیا۔ اس کے برخلاف نزول عیسیٰ علیہ السّلام کا مسئلہ ہے جس میں سلف سے لے کر آج تک ائمۂ دین میں سے کسی کا اختلاف ثابت نہیں پھر اس کو عقائد کی فہرست سے کس طرح خارج کیا جاسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ معتزلہ جو

مذکورہ بالا مسائل میں اہلسنّت سے کچھ اختلاف بھی رکھتے ہیں وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ متفق ہیں۔ جیساکہ زمخشری نے کشاف میں اسکی تشریح کی ہے ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ تمام اُمت مسلمہ کا اسپر اجماع ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور قرب قیامت میں بجسم عنصری پھر تشریف لانیوالے ہیں جیساکہ متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔ دیکھو (بحر محیط صـ۴۷۳ ج ۲)

مسئلہ نزول کی حیثیت اس بارے میں اگر حدیثوں پر نظر ڈالئے تو تیس صحابہ سے تقریباً سو حدیثوں میں باسالیب مختلفہ اس مسئلہ کو تکرار قسیں کھاکھا کر دوہرایا گیا ہے۔ اس بڑے ذخیرے میں سے چالیس حدیثیں تو ایسی ہیں جن کی تصحیح و تحسین محدثین نے صراحت کے ساتھ ثبت فرمادی ہے۔ اور بقیہ کے متعلق گو صراحۃً ان سے تحسین منقول نہو لیکن کوئی صاف جرح بھی ثابت نہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس پیشگوئی کا رتبہ کیا ہے۔ دعوٰی سے کہا جا سکتا ہے کہ متواتر حدیث کی جو بڑی سے بڑی مثال پیش کیگئی ہے اس پیشگوئی کا پلہ کسی طرح بھی اس سے ہلکا نہیں ہے۔ پھر جب کتب سابقہ پر نظر ڈالی جائے تو یہاں انجیل بھی احادیث نبویہ کے ساتھ اس درجہ مطابق ملتی ہے کہ اس کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور یہ یقین بدیہی بن جاتا ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام کا نزول صرف اسی شریعت کا مسئلہ

نہیں بلکہ جملہ ادیان سماویہ کا ایک ایسا متفقہ عقیدہ ہے جسمیں اصول دین کی طرح کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔

مسئلہ نزول کی حیثیت انجیل میں

پھر اس مسئلہ کی حقیقت ایک عام اور مجمل پیشگوئی کے سمجھ لینے میں کتنی بڑی فرد گذاشت ہوگی۔ انجیل متی باب ۲۴ آیت ۳ میں ہے:۔ اور جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا اس کے شاگردوں نے خلوت میں اسکے پاس آکر کہا، ہم سے یہ کہہ کہ یہ کب ہوگا۔ اور تیرے آنے کا اور زمانہ کے آخر ہونے کا نشان کیا ہے؟ تب یسوع نے جواب میں ان سے کہا۔ خبردار تمہیں کوئی گمراہ نہ کرے کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔ اور تم لڑائیوں اور لڑائیوں کی افواہوں کی خبر سنو گے۔ خبردار مت گھبرائیو کیونکہ ان سب باتوں کا ہونا ضرور ہے پر اب تک آخر نہیں ہے کہ قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آوے گی۔ اور کال اور مری پڑے گی۔ جگہ جگہ بھونچال آئیں گے۔ یہ سب کچھ مصیبتوں کا شروع ہے۔

انجیل متی باب ۲۴۔ ۲۳۔ ۲۸۔ اسوقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہونگے

اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کریں۔ دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہدیا ہے پس اگر وہ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ بیابان میں ہے تو باہر نہ جانا دیکھو وہ کوٹھریوں میں ہے تو یقین نہ کرنا کیونکہ جیسے بجلی پورب سے کوند کر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائیں گے۔

اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائیگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا اور ستارے آسمان سے گریں گے۔ اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائینگی۔ اور اسوقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دیگا۔ اور اسوقت زمین کی ساری قومیں چھاتی پیٹینگی۔ اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کیساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی انجیل لوقا۔ ۲۱-۲۶ میں اتنی زیادتی اور ہے۔ اور ڈر کے مارے اور زمین پر آنے والی بلاؤں کی راہ دیکھتے دیکھتے لوگوں کی جان میں جان نہ رہے گی۔ اور جب یہ باتیں ہونے لگیں تو سیدھے ہو کر سر اوپر اٹھانا اس لئے کہ تمہاری مخلصی نزدیک ہوگی انجیل مرقس و لوقا میں۔

انجیل متی باب ۲۴۔ ۳۲ اب انجیر کے درخت کی ایک تمثیل سیکھو جونہی اسکی ڈالی نرم ہوتی ہے اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے اسی طرح جب

تم ان سب باتوں کو دیکھو تو جان لو کہ وہ نزدیک ہے۔ بلکہ دروازہ پر ہے۔

اعمال باب آیت ۹ | اور وہ یہ کہ ان کے دیکھتے ہوئے اوپر اٹھایا گیا۔ اور بدلی نے اسے ان کی نظروں سے چھپالیا۔ اور اس کے جاتے ہوئے جب وے آسمان کی طرف تاک رہے تھے دیکھو دو مرد سفید پوشاک پہنے ان کے پاس کھڑے تھے اور کہنے لگے اے جلیل مردو تم کیوں کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے ہو۔ یہی یسوع جو تمہارے پاس سے آسمان پر اٹھایا گیا ہے اسی طرح جس طرح تم نے اسے آسمان کو جاتے دیکھا ہے پھر آوے گا۔

مسئلہ نزول کی حیثیت قرآن کریم میں | خدا تعالیٰ کی سب سے آخری کتاب قرآن کریم ہے۔ جب اس پر نظر ڈالئے تو اس میں بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی یہی حیثیت ثابت ہوتی ہے رہا ان کے رفع جسمانی کا مسئلہ تو اس کو قرآن کریم نے اہل کتاب کے مقابلہ میں اپنی جانب سے ایک فیصلہ کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آتی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔ یعنی اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو عیسٰی علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے۔ آیت بالا میں اسکی تصریح ہے کہ عیسٰی علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے نیز یہ کہ آئندہ زمانے میں کسی شبہ کے بغیر اہل کتاب کو ان پر ایمان

لاناہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی صحیح حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر اس پیشگوئی کو تم قرآن کریم کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو آیت بالا کو پڑھ لو۔ اس کی مزید تشریح آئندہ آئیگی اور اس مغالطہ کو بھی دور کیا جائے گا کہ نزول کا لفظ قرآن کریم میں کیوں نہیں آیا۔ پس اگر یہ مسئلہ جو کتب سابقہ سے لے کر احادیث نبویہ اور خود کتاب اللہ میں اس تواتر کے ساتھ ثابت ہے عقائد کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہے تو پھر اور کس مسئلہ کو عقائد میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ تعجب ہے کہ جہاں کتب سماویہ کو اس پر اتنا اصرار ہے ہماری ناقص عقول کو اس سے اتنا ہی انکار ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

مسئلہ نزول کی اہمیت اور موجودہ زمانے کے معترضین کی غلط فہمیاں اور ان کی تحقیق
اصول دین سے اس کا تعلق

سے بھی چوک گئی ہے وہ صرف اس بحث میں ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر صرف ایک پیشگوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پیشگوئیاں صرف صداقت رسول کا ایک معیار ہوتی ہیں یہ بھی اسی نوع کی ایک پیشگوئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق پہلے سے کرچکی ہے اس کے حق میں اس کی اہمیت کیا ہے؟ اور اسی غلط فہمی میں انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اصول دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کو یہ علم ہی نہیں کہ اس پیشگوئی کو ایک اصولی حیثیت بھی حاصل ہے

کیونکہ اہل کتاب کی دو مرکزی جماعتوں کا نقطۂ ضلالت یہی پیشگوئی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ کتب سابقہ میں دو مسیح کے آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی جس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تھے اور دوسری مسیح ضلالت کی جس کا مصداق دجال ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ولادت ہوئی تو یہود بے بہبود نے ان کو مسیح ضلالت کا مصداق ٹھہرالیا۔ اور اس لئے ان کی ایذا رسانی اور قتل کے درپے رہے اور جب مسیح ضلالت ظاہر ہوگا یعنی دجال تو اس کو مسیح ہدایت کا مصداق ٹھرائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام یہود دجال کی اتباع کرلیں گے اس کے برعکس نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو گو مسیح ہدایت کا مصداق تو مانا مگر حد سے بڑھا کر ان کو اقانیم ثلاثہ کا ایک جزء بنالیا۔ اب یہاں ان دونوں بڑی بڑی جماعتوں کو جو بسیط ارض پر پھیلی پڑی ہیں ایک مسیح کی آمد کا انتظار لگ رہا ہے۔ یہود کو تو اس لئے کہ ان کے نزدیک مسیح ہدایت کی جو پیشگوئی کیگئی تھی اس کا ظہور ابھی باقی ہے لہٰذا مسیح ہدایت کو آنا چاہیئے۔ اور نصاریٰ کو اس لئے کہ ان کے زعم میں ہی مسیح دوبارہ آکر مخلوق کا حساب لینگے اور یہی دن قیامت کا دن ہوگا (دیکھو الجواب الصحیح ص۲۳۲ و ص۱۸۱)

اس مسئلے پر بحث کے وقت اگر اس اہم تاریخ کو بھی سامنے رکھ لیا جاتا تو

یہ واضح ہوجاتا کہ اس پیشگوئی کی حقیقت نہ صرف ایک پیشگوئی کی ہے اور نہ ایک جزئی واقعہ کی۔ بلکہ اس کا تمام تر تعلق اصول دین کیساتھ ہے۔ کیونکہ رسالت اور قیامت کے دونوں مسئلے اصولی مسئلے ہیں۔ اور اس مسئلہ کو ان دونوں سے گہرا تعلق ہے۔ یہاں یہودیوں کی یہ گمراہی کتنی اصولی گمراہی ہے کہ انہوں نے مسیح ہدایت یعنی خدا تعالیٰ کے ایک سچے رسول کو مسیح ضلالت یعنی دجال ٹھہرالیا تھا۔ اور نصاریٰ کی یہ گمراہی بھی کتنی اصولی ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کے ایک رسول کی آمد کو خدائی آمد اور اس کی آمد کے دن کو قیامت کا دن سمجھ رکھا ہے۔ ان دو اصولی غلطیوں کی اصلاح پر دنیا کی ان دو بڑی بڑی امتوں کے ایمان کا دارومدار ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آمد کی پیشگوئی کی وہی اہمیت محسوس فرمائی ہے جو کسی اصولی معاملہ کی کیجاسکتی ہے۔ اور مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کی ایسی تفصیلات بیان فرمادی ہیں کہ پھر آئندہ ان دونوں کے ظہور کے وقت ان کی شناخت میں دونوں قوموں کو کوئی مغالطہ نہیں لگ سکتا۔ یہود آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس کو انہوں نے مسیح ضلالت سمجھا تھا (والعیاذ باللہ) درحقیقت وہ مسیح ہدایت تھے اور نصاریٰ کو یہ خوب ثابت ہوجائے گا کہ جسکو انہوں نے خدائے تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا تھا درحقیقت وہ اس کا ایک بندہ اور اس کی مخلوق تھا اور انکی آمد قیامت کا دن

نہیں بلکہ اس کی ایک بڑی علامت تھی ۔ اور یہ سب غلطیاں خود عیسیٰ علیہ السّلام ہی کی زبان سے دور کردی جائیں گی ۔ تاکہ اختتام عالم سے قبل اتحاد ملل کے راستہ میں جتنی رکاوٹیں ہوسکتی تھیں وہ ایک ایک کرکے سب دور کردی جائیں اور ملل سماویہ کی وحدت کا وعدہ پوری صفائی اور صداقت سے پورا ہوجائے وتمت کلمت ربک صدقا و عدلا ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی اہمیت تاریخی نظر میں

یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان انبیاء علیہم السّلام میں سے نہیں ہیں جن کا تذکرہ تاریخ نے محو کرڈالا ہو۔ بلکہ اُن اولوا العزم رسولوں میں سے ہیں جن کا تذکرہ ہر دور میں بڑی اہمیت کے ساتھ ہوتا رہا ہے ۔ اہل کتاب کے دو بڑے بڑے گروہ ان کی ایک ایک علیحدہ تاریخ رکھتے ہیں اور خود اہل اسلام کے پاس بھی ان کی ایک منقح تاریخ موجود ہے ۔ یہود کی تاریخ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو انہوں نے قتل کرڈالا۔ اس لئے ان کے نزدیک تو انکی حیات اور دوبارہ تشریف آوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا رہ گئے نصاریٰ تو وہ ان کی دوبارہ تشریف آوری کے قائل ہیں مگر وہ اس دن کو قیامت کا دن سمجھتے ہیں اور مجمل طور پر ان کے سولی چڑھائے جانے اور زندہ ہوکر آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بھی قائل ہیں اہل اسلام کا

عقیدہ یہ ہے کہ نہ وہ قتل ہوئے اور نہ سولی دیئے گئے بلکہ زندہ اسی جسم
عنصری کے ساتھ آسمانوں پر اُٹھائے گئے۔ اور قیامت سے پہلے پھر اسی
جسم عنصری کے ساتھ تشریف لائیں گے۔ اور مدینہ طیبہ میں حضور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم میں وفات کے بعد مدفون ہوں گے۔ اب ایسے اولوالعزم
رسول کے متعلق یہ حق کسکو پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسی جدید تاریخ بنائے جو دنیا میں
کسی جماعت کو بھی مسلم نہو۔ مثلاً یہ کہ وہ سولی پر چڑھائے گئے پھر نیم مردہ حالت
میں اتارے گئے تھے۔ پھر کہیں جا کر اپنی طبعی موت سے مرے اور آخر کشمیر یا کسی
اور شہر میں جا کر ایسی گمنامی کی حالت میں مدفون ہوئے جس کی اطلاع کسی کو نہ ہوئی
اس جلیل القدر رسول کی اس جدید تاریخ کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی
شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرے کہ آپ کی وفات اور دفن
کا سب افسانہ غلط ہے۔ بلکہ جب کفار نے آپ کو زیادہ ستایا تو آپ بجسم
عنصری کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اور آئندہ پھر تشریف لانے
والے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی عاقل ایسا ہے جو اس رسول اعظم کی اس جدید تاریخ
پر غور کرے۔ اور اس کے دلائل سننے کے لئے تیار ہو۔ ہمارے نزدیک ایک
مسلّم فوت شدہ رسول کے زندہ آسمانوں پر جانے کی تاریخ بنانے اور ایک مسلّم

زندہ آسمانوں پر موجود رسول کے متعلق ان کی موت اور دفن کی تاریخ (بجائے جدید) میں کوئی فرق نہیں۔ نہ وہ عقلاء کے نزدیک قابل توجہ ہے اور نہ یہ قابل التفات ہو سکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات کی اہمیت تاریخ کی نظر میں

یہ بات کتنی عجیب ہے کہ عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خود نبی اولوالعزم ہیں ان کی امت بھی تسلسل کے ساتھ کسی انقطاع کے بغیر اب تک چلی آرہی ہے پھر ان کی موت اور ان کی قبر کا صحیح صحیح حال آج تک ان سب پر کیسے مخفی رہ گیا۔ بالخصوص یہود جو ان کے قتل کے مدعی تھے وہ اس اہم واقعہ سے کیسے غفلت اختیار کر سکتے تھے کیونکہ عیسیٰ علیہ السّلام کے مقتول ہونے کیلئے ان کی قبر کی نشاندہی ان کے لئے سب سے کھلا ہوا ثبوت تھی مگر یہاں نہ تو یہود ان کی قبر کا پتہ نشان بتا سکتے ہیں اور نہ اس بارے میں نصاریٰ کے پاس ہی کوئی صحیح علم ہے ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان جو مدت ہے وہ تقریباً چھ سو سال کی مدت ہے یہ اتنی طویل مدت نہیں کہ اس میں کسی ایسی اولوالعزم تاریخی شخصیت کی قبر اتنی لاپتہ ہو جائے کہ نہ اس کے ماننے والوں کو بلکہ پوجنے والوں کو معلوم ہو اور نہ اس کے دشمنوں کو اس مدت میں نہ معلوم کتنے اولیاء اللہ گذر چکے ہیں جن کی وفات پر اس سے کہیں زیادہ کی مدت گذر چکی ہے مگر ان کی قبریں آج تک تازہ یادگاریں معلوم ہوتی ہیں پھر عیسیٰ علیہ السّلام کی

موت اور ان کی قبر کی ایسی گمنامی یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر ان کے حق میں کبھی موت کا یک حرف نہیں فرمایا اور نہ ان کی قبر کا کہیں نشان بتایا درانحالیکہ یہ مسائل آپ کی آنکھوں کے سامنے زیر بحث چل رہے تھے۔ اس کے برعکس فرمایا تو یہ کہ وہ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ اور ابھی ان کی وفات نہیں ہوئی۔ اور قبر بتائی تو مستقبل بعید میں اپنے پہلو کے قریب مدینہ طیبہ میں اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے تردید الوہیت کے موقعہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معمولی سے معمولی حالات کا تذکرہ فرمایا ہے مثلاً ان کا کھانا کھانا کانا یاکلان الطعام۔ مگر ان کی الوہیت کے خلاف جو سب سے واضح ثبوت تھا یعنی یہ کہ وہ مرچکے ہیں اس کو ایک جگہ بھی عیسائیوں کے مقابلہ میں ذکر نہیں فرمایا اور نہ کبھی آپ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تو مدت ہوئی وفات ہوچکی ہے۔ پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ بارہا عیسائیوں کے ساتھ آپ کے مناظرات ہوئے ہیں۔ پھر اس تحقیقاتی دور میں جہاں جبل ایورسٹ EVAREST پر رسائی ہوچکی ہو فرعون کی لاش دستیاب ہوچکی ہو اور سفینۂ نوح علیہ السّلام کے نشانات معلوم کئے جاچکے ہوں وہاں کیا اس مقدس رسول کی قبر مخفی رہ سکتی تھی۔ ان حالات میں بھی اگر اپنی جانب سے ہم ان کی موت

اور قرآن کی نشاندہی کے مدعی بنتے ہیں تو تاریخی دنیا میں اس کی کیا قدر و منزلت سمجھی جا سکتی ہے۔

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات [illegible] بانی مذہب اسلام [illegible] ان کی حیات کے قائل رہے ہیں

یہاں تھوڑا سا غور اس پر بھی کر لینا چاہیے کہ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو پھر سارے انبیاء علیہم السلام میں سے ایک ان ہی کی خصوصیت کیا تھی کہ ان ہی کے معاملہ میں نصاریٰ سے لے کر اہل اسلام تک ان کی حیات اور ان کے نزول کے تسلسل کے ساتھ قائل چلے آ رہے ہیں۔ چلئے نصاریٰ اگر اپنی فرط عقیدت سے کسی بے اصل بات کا دعویٰ کر بیٹھیں تو جائے تعجب نہیں مگر یہاں ان علماء اسلام کے لئے اسکا کیا محل ہو سکتا تھا جو ہمیشہ تردید الوہیت میں سرگرم رہے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں کسی کسی کے قلم سے ایسے کلمات بھی نکل گئے ہیں کہ اگر کہیں اتنی بڑی تہمت ان کے سر نہ رکھی جاتی تو وہ کلمات ہرگز ان کے قلم سے نہیں نکل سکتے تھے۔ پھر کسی غلطی کا اگر امکان تھا تو چلئے یہ کسی خاص فرد میں ہو سکتا تھا لیکن جمہور امت اور صحابہ و تابعین پھر ائمہ دین اور مفسرین و شارحین سب ہی کا ایک بدیہی البطلان غلطی پر متفق ہو جانا یہ کیوں کر قرین قیاس مانا جا سکتا ہے۔ چلئے اگر یہ مسئلہ الٰہیات کے دقیق مسائل یا حیات برزخی کے بالاتر از فہم کیفیات کی طرح کوئی باریک

مسئلہ ہوتا تو بھی کسی غلط فہمی کا امکان تھا مگر ایک شخص کی موت وحیات کا مسئلہ
تو کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہ تھا جس کے فہم میں کوئی دشواری تھی یا اس میں اختلاف
رائے کی کوئی گنجائش تھی۔ یہ تو عام انسانوں سے لے کر انبیاء علیہم السلام کی جماعت
تک کی ایک عام سنت بشری تھی پھر انبیاء علیہم السلام کی تمام جماعت میں سے
ان ہی کی موت میں غلط فہمی کیوں پیدا ہوگئی۔ اور حیرت در حیرت یہ کہ وہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی صاف نہ ہوسکی بلکہ اور مستحکم ہوتی رہی۔ پس اگر حقیقت
حال یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوچکی ہے تو پھر کسی تاریخ سے یہ ثبوت
پیش کرنا لازم ہوگا کہ کم از کم مسلمانوں میں اس کے خلاف ان کی حیات کے عقیدے
کی بنیاد کب سے پڑی۔ لیکن یہاں تو ہم جتنا صحابہ و تابعین اور ان سے احادیث
مرفوعہ کی طرف نظر کرتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی ہم کو رفع و نزول کا ثبوت اور بہم
پہنچتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس آخر میں موت کے عقیدے کی بدعت میں جس
کسی فرد نے ایجاد کی ہے تاریخ انگلی رکھ کر اس کا نام و نشان بتاتی ہے اور ہمیشہ اس کو
مسلمانوں کے خلاف عقیدہ کا شخص شمار کرتی ہے حتیٰ کہ اس مدت میں جو مدعی مسیحیت
گذرے ہیں وہ بھی اپنے دعویٰ سے قبل تمام عمر اس بارے میں عام اُمت کے ساتھ
ہی نظر آتے ہیں یہ بات دوسری ہے کہ جب زمین ہموار ہوگئی اور انہوں نے خود مسیح

ہونے کا دعویٰ شروع کیا تو پھر جس عقیدہ پر ان کی ساری عمر گذری تھی اسی کو انہوں نے مشرکانہ عقیدہ ٹھہرا دیا۔ بلکہ اس سے بڑھکر اس مضمون کی صحیح سے صحیح حدیثوں کے متعلق ردی کی ٹوکری میں پھینکدینے کے مکروہ ترین الفاظ بھی لکھ مارے ہوں کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر وفات پا چکے ہیں تو ان کے متعلق حدیث و قرآن میں کہیں موت کا صاف لفظ کیوں نہیں۔

اس مقام پر یہ دقیقہ بھی قابل فروگذاشت نہیں ہے کہ ایک انسان کی موت کا واقعہ کونسا پیچیدہ واقعہ ہے جس کے بیان کرنے میں ایک معمولی سے معمولی انسان کو بھی دشواری ہو سکتی ہے اگر قرآن کریم کسی ایک جگہ بھی صراحت کے ساتھ یہ لفظ فرما دیتا کہ " ان عیسیٰ مات " یعنی عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں۔ تو بس اسی ایک لفظ سے ساری بحثیں ختم ہو جاتیں اور بے وجہ لفظ توفی پر دفتر کے دفتر خرچ کر کے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہ رہتی کہ توفی لغت عرب میں موت کے ہم معنی ہے۔ افسوس ہے کہ لفظ توفی کے موت کے معنی میں ثابت کرنے کیلئے تو عمریں صرف کی گئیں مگر اس پر کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی غور نہ کیا گیا کہ جب عربی زبان میں موت کے لئے دوسرا صاف لفظ موجود تھا تو پھر یہاں موضع اختلاف میں اس صاف اور سیدھے لفظ کو چھوڑ کر ایسے مشتبہ لفظ کو کیوں اختیار کیا گیا ہے جو بڑی کاوشوں کے بعد بھی موت میں منحصر نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جب کہ عیسائی

یہ ڈنکہ بجا رہے ہوں کہ وہ اللہ تھے یا ابنُ اللہ تھے۔ والعیاذ باللہ کیا آیات سیدھی اور
صاف نہ تھی کہ اللہ کا سب سے پہلا نام "الحیّ" ہے اور عیسٰی علیہ السّلام مر چکے ہیں۔
سورۂ آلِ عمران میں جو نصاریٰ ہی کی تردید کیلئے اتری تھی اس میں سب سے پہلے
اللہ تعالیٰ کو "الحیّ القیوم" کہہ کر ان کی تردید کیگئی ہے۔ مگر ساری سورۃ میں ایک
بار بھی عیسٰی علیہ السّلام کے حق میں موت کا لفظ نہیں بولا گیا۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی موت کا مسئلہ عام انسانوں کی موت پر قیاس کرنا صحیح نہیں

یہ اچھی طرح واضح رہنا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی موت کا مسئلہ صرف عام انسانوں کی موت
پر قیاس کر کے طے نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ عام انسانوں کی حیات و موت سے قومی
تاریخ یا مذہبی عقیدہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں طویل گمشدگی کو بھی موت
کا قرینہ بنا لیا جاتا ہے۔ لیکن ایک ایسے اولوالعزم نبی کی وفات کا مسئلہ جسکی حیات
موت کی بحث دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ سے چل رہی ہو جس کی حیات کے واضح
اور مستحکم دلائل بھی موجود ہوں اسکی موت و حیات کو صرف عام انسانوں پر قیاس
کر کے کیسے طے کیا جا سکتا ہے یہ بالکل اتنا ہی غیر معقول ہے جتنا کہ کسی ایسے زندہ
شخص کی طویل گمشدگی سے اسکی موت کا حکم لگا دینا جسکی حیات کی شہادت
معتمد اخبارات کے ذریعہ بھی اور خود اس کے بیانات سے بھی مسلسل موصول

ہو رہی ہو یہاں کوئی عاقل ایسا نہیں ہوگا جو ان حالات میں صرف اس کی مدت سفر کے غیر معمولی طوالت کی وجہ سے اس کے ترکہ کی تقسیم کا دعویٰ کسی عدالت میں دائر کر سکے اور نہ کوئی عدالت یہاں اس کی وراثت کی تقسیم کا حکم دے سکتی ہے۔

خوب یاد رکھو جہاں کوئی معاملہ خاص دلائل کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے وہاں صرف عام قیاسات سے کوئی حکم لگانا کھلی ہوئی غلطی ہے۔ مثلاً آج جب کہ فرعون کی لاش پختہ ثبوت کے ساتھ دریافت ہو چکی ہے تو اب محض اس بنا پر اس کا انکار کرنا کہ ایک غرق شدہ لاش کا وہ بھی ہزاروں سال کے بعد صحیح و سالم برآمد ہونا چونکہ عام دستور کے خلاف ہے اس لئے فرعون کی لاش کا برآمد ہونا بھی قابل تسلیم نہیں یا قابل یقین نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قیاس کی عقل و تاریخ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہو سکتی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات کا مسئلہ بھی ہے۔ یہاں صرف عام قیاسات اور عام دلائل پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ان کا معاملہ قرآن و حدیث کے واضح سے واضح اور مستقل طور پر علیحدہ بیان میں آ چکا ہے۔

حیات و موت کا مسئلہ دنیا کے عام واقعات میں شامل ہے پھر قرآن و حدیث میں اس کی اہمیت کیوں ہے

اس امر پر غور کرنا ضروری ہے کہ حیات و موت دنیا کے عام واقعات میں شامل ہیں بہت سے انبیاء علیہم السلام فوت ہوئے اور بہت سے نا اہل امتوں کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ اسی طرح مستقبل میں بہت سے مبارک اور نامبارک افراد و اشخاص کے ظہور کی پیشگوئیاں کی گئی ہیں۔ مگر آخر ان سب میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد اور ان کی حیات کے مسئلہ کی اہمیت کیا تھی کہ کتب سابقہ سے لیکر قرآن کریم تک نے اس کے بیان و ایضاح کا اہتمام کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بار بار ان کے نزول کی پیشگوئی فرمائی اور اس کی اتنی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جتنی کہ کسی اور دوسرے شخص کے متعلق نہیں فرمائیں یقیناً اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کا تعلق آئندہ زمانہ سے ابھی باقی ہے۔ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح فوت ہو چکے ہوتے تو جس طرح ان کی موت اور سوانح موت کی تفصیلات سے سکوت اختیار کر لیا گیا تھا یہاں بھی سکوت اختیار کر لیا جاتا۔ مگر چونکہ ان کو ابھی دوبارہ تشریف لانا باقی تھا اس لئے آپ نے ان کی آمد کی تفصیلات کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ تاکہ جن کے متعلق پہلی بار دو بڑی قومیں گمراہ ہو چکی تھی دوسری بار اب وہ اپنی اپنی غلطیوں کو صاف طور

پر سمجھ جائیں اور اجتماعی حیثیت سے جس طرح وہ پہلی بار کفر پر جمع ہو گئی تھیں اس مرتبہ ایمان پر جمع ہو سکیں۔ اور وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ کی پیشگوئی پوری آب و تاب سے پوری ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واضح اور شافی بیان جس طرح کہ اس امت پر ایک احسان عظیم ہے اسی طرح دوسری امتوں پر بھی ہے۔ کہ ان کو صرف آپ کے طفیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی صحیح معرفت اور ان پر صحیح ایمان کا سامان میسر آگیا اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و برتری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مسائل جو آج تک الجھے ہوئے چلے آرہے تھے وہ آپ کے دور میں کس طرح سلجھتے چلے جا رہے ہیں۔

نافہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنکی پہلی آمد امتوں کے فتنے کا موجب بنی ان کی دوسری آمد سے ہدایت کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اس کی ذمہ داری اگر تمامتر امتوں پر عائد ہوتی ہے تو ان کی دوبارہ آمد میں خطرہ کیا ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ذمہ داری خود ان ہی پر عائد ہے والعیاذ باللہ تو یہ براہ راست خدا کے ایک معصوم رسول پر حملہ ہے۔ اور صحیح معنی میں یہود کی اتباع ہے۔ ہمارے بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ان کی دوبارہ تشریف آوری درحقیقت اسی عمیق حکمت کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ بات عالم آشکارا کر دی جائے کہ جنکو جماعتوں

نے مرکز ضلالت ٹھہرایا تھا یہ ان کی شتقاوت تھی درحقیقت وہ مرکز ہدایت تھے
اور اس طرح جہاں ایک طرف ان کی بزرگی ثابت ہو دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی عظمت وشان بھی ظاہر ہو۔

خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ نزول کی اہمیت

یہ امر بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے اور اب وہ
دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے تو حدیثوں میں نزول کی پیشگوئی خاص اسی نام ونسبت
کے شخص کے متعلق کیوں کی گئی ہے۔ اور کیوں صاف طور پر دنیا کے دستور کے
موافق اس کا وہی نام ذکر نہیں کیا گیا جو اس کا اصل نام تھا۔ نیز یہ سوال بھی اہم ہے
کہ کسی ایک حدیث میں ان کے متعلق ولادت کا سیدھا لفظ کیوں نہیں فرمادیا گیا تاکہ
یہ بات صاف ہو جاتی کہ جو شخص آئندہ آنے والا ہے وہ عام انسانوں کی طرح
کسی وقت پیدا ہوگا۔ اور وہ مسیح اسرائیل نہیں۔ بلکہ کوئی دوسرا انسان ہے، بالخصوص
جب کہ امام مہدی اور دجال بھی مبارک ونامبارک انسان آئندہ ظاہر ہونے والے
تھے ان کے حق میں ولادت ہی کا صاف لفظ بولا گیا ہے۔ اور ان کی وہی نام ونسبتیں
ذکر فرمائی گئی ہیں جو انکی اصل نام ونسبتیں تھیں۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر مسیح ابن مریم
درحقیقت فوت ہو چکے تھے اور ان کی بجائے کوئی اور شخص انکا ہمرنگ اس امت میں پیدا

ہونے والا تھا تو اس کے حق میں کہیں ولادت کا لفظ بولا نہ جاتا۔ اور کسی ایک حدیث
میں اس کے اصل نام و نسبت کی تصریح نہ کی جاتی اور کہیں اس کے اصل شہر اور
محل پیدائش کا پتہ نہ بتایا جاتا بلکہ ہر ہر مقام پر وہی نام و نسبت وہی شہر، وہی تمام
صفات اور وہی حلیہ ذکر کیا جاتا۔ جو درحقیقت مسیح اسرائیل کا تھا۔ کیا جس نام و نسبت
والے شخص کے متعلق عیسائی قوم دوبارہ آمد کا انتظار کر رہی تھی اسی نام و نسبت
والے شخص کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کرنی یہ عیسائیوں کی کھلے طور پر تائید کرنی نہیں
ہے اس انداز بیان کا مطلب ایک سیدھی بات کو اور الجھا دینا اور ہدایت کی
بجائے مخلوق کو اور گمراہی میں مبتلا کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس اگر صرف اسی
ایک بات پر غور کر لیا جائے کہ حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بار بار کیوں
نزول کا لفظ ——— استعمال کیا گیا ہے۔ اور کیوں ایک مرتبہ بھی ولادت کا لفظ
نہیں بولا گیا۔ اور کیوں تمام مقامات پر اسی اسرائیلی رسول بزرگ کے نام و نسبت
اور شکل و شمائل کو ذکر کیا گیا ہے اور کیوں اس کا اصل نام و نسبت ذکر نہیں کیا گیا
تو یہ بات بالکل صاف ہو جاتی کہ یقیناً وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنے والے
ہیں جو ایک بار پہلے آ چکے ہیں اور وہ زندہ ہیں اور آئندہ زمانہ میں انکو نازل ہونا
ہے۔ حدیثوں کے اس واضح بیان کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں

حدیثوں کی تاویل کرنا اور ان کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک پیدا ہونے والا انسان شمار کرنا ٹھیک اسی طرح تحریف ہوگا جیسا امام مہدی علیہ السلام یا دجال کے بارے میں ولادت کے صاف لفظ مذکور ہو جانے کے باوجود یہ دعویٰ کرنا کہ امام مہدی علیہ السلام اور دجال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان سے نازل ہوں گے پس جس طرح امام مہدی علیہ السلام کے حق میں ان کے نزول کی بجائے امت کو انکی ولادت ہی کا انتظار رہے اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حق میں ان کی پیدائش کی بجائے ان کے اترنے ہی کا انتظار رہنا چاہیے ہم کو اس کا کوئی حق نہیں کہ حدیثوں میں جہاں صاف طور پر نزول کا صاف لفظ آچکا ہے وہاں اس کے معنی ولادت کے اور جہاں ولادت کا صاف لفظ وارد ہے اس کے معنی نزول کے کرڈالیں۔

قرآن کریم میں نزول کا مسئلہ بھی رفع جسمانی کی طرح صاف طور پر کیوں ذکر میں نہیں آیا

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور مقتول نہ ہونے کا تذکرہ صرف یہود کے اسباب لعنت کے بیان کے ضمن میں آگیا ہے یہاں قرآن شریف نے یہ نقل کیا ہے کہ یہود واقعہ کے خلاف ان کے قتل کرنے کے مدعی ہیں۔ اور نصاریٰ گو بہت سی بے تحقیق باتیں بناتے ہیں مگر اجمالاً ان کے رفع کے قائل ہیں اس لئے یہاں قابل توجہ صرف یہی مسئلہ تھا کہ وہ مقتول ہوئے یا نہیں اور اگر مقتول نہیں ہوئے تو آسمان پر اُٹھائے گئے یا نہیں رہا ان کے نزول کا مسئلہ تو وہ کسی مقام پر بھی زیر بحث نہیں آیا۔ ہم کو کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ نزول یا عدم نزول کا مسئلہ کبھی اہل کتاب نے آپ کے سامنے پیش کیا تھا۔ لہذا جب یہ مسئلہ کبھی آپ کے سامنے پیش ہی نہیں ہوا اور نہ قرآن کریم ہی کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو اب صراحت کے ساتھ نزول کا ذکر ہوتا تو کیسے ہوتا ہاں اگر نزول کا مسئلہ بھی اس وقت کہیں زیر بحث آجاتا تو جس طرح یہاں رفع کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور ہوا تھا نزول کا لفظ بھی یقیناً اسی صراحت کے ساتھ ذکر ہو جاتا لیکن جب یہ مسئلہ کہیں زیر بحث آیا ہی نہیں تو اب قرآن کریم میں صراحۃً لفظ نزول کا مطالبہ کرنا کتنی بڑی الصافی ہے۔ اور اگر بالفرض یہ لفظ مذکور ہو بھی جاتا جب بھی حیلہ جو

طبیعتوں کو فائدہ کیا تھا۔؟ آخر صحیح سے صحیح حدیثوں میں یہ لفظ بار بار آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قسموں کے ساتھ آیا مگر پھر ان کو کیا فائدہ ہوا۔

پس حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول یعنی آمد ثانی کا مسئلہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو مگر اس وقت وہ زیر بحث ہی نہ تھا ہاں قومی تاریخ کے لحاظ سے جو فرقہ ان کے رفع جسمانی کا قائل تھا وہ ان کی آمد ثانی کا بھی منتظر تھا اور اب تک ہے اور جو ان کے قتل کا مدعی تھا ان کے نزدیک اُن کی آمد ثانی محل بحث ہی کیا ہو سکتی تھی۔ پس اگر یہاں قرآنی فیصلہ ان کے رفع کا ہو جاتا ہے تو ان کے نزول کا مسئلہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اگر فیصلہ یہ ہو کہ وہ مقتول ہو گئے (العیاذ باللہ) تو پھر ایک شخص کے دوبارہ آنے کی بحث ہی پیدا نہیں ہو سکتی لہٰذا اگر قرآن کریم کی کسی آیت میں رفع کے صاف لفظ کی طرح نزول کا لفظ مذکور نہیں تو اس سے مسئلہ نزول کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر خاص نزول کا لفظ مذکور ہونا ہی کیوں ضروری ہے جب کہ قرآن کریم یہ تصریح کرتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ابھی وفات نہیں پائی اور قیامت سے قبل تمام اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا باقی ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے

اور ابھی تک اس کو موت نہیں آئی ضرور ہے کہ وہ زمین پر نازل ہو تاکہ اہلِ
کتاب ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھکر اُن پر ایمان لے آئیں اور وہ اپنی مقررہ
مدت عمر پوری کرکے دنیا کی آنکھوں کے سامنے وفات پاکر مدفون ہوں اسی
لیے حضرت ابو ہریرۃ رض حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کی روایت کرکے
فرماتے ہیں کہ اگر پیشگوئی کو تم قرآن کریم کے الفاظ میں دیکھنا چاہو تو سورہ نساء
کی یہ آیت پڑھ لو۔ وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل
موتہ۔

آیت بالا میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی حیات کے لئے جو سب سے زیادہ
صاف اور واضح لفظ ہو سکتا تھا وہ موتہ کا لفظ ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ
جس زندہ شخص کی اب تک وفات ثابت نہیں ہوئی اس کی حیات کے لئے
کسی اور دلیل کی ضرورت کیا ہے۔ یہاں جو شخص ان کی موت کا مدعی ہو یہ فرض
اس کا ہے کہ وہ ان کی موت ثابت کرے۔ پھر آیت بالا میں خاص اہل کتاب
کے ایمان کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل اسلام کو ان پر اس وقت
بھی صحیح ایمان حاصل ہے۔ لہذا جن کا ایمان لانا قابل ذکر ہو سکتا تھا وہ صرف اہل
کتاب کا ایمان ہے اب اگر فرض کرلو کہ اہل اسلام بھی نصارٰی کی طرح انکا سولی پر

چڑھنا تسلیم کرتے ہوں یا یہود کی طرح ان کے مردہ ہونے کے قائل ہوں تو پھر اہل اسلام کا ایمان بھی ان پر صحیح ایمان نہیں رہتا۔ اہل کتاب اگر اس بارے میں ایک غلطی پر ہیں تو اہل اسلام بھی دوسرے اعتبار سے غلطی میں مبتلا ہیں پھر اس تخصیص کی کوئی اہمیت نہیں رہتی

قرآن کریم نے جہاں ایک طرف ان کی موت کی صاف نفی فرما کر یہ بتایا ہے کہ ابھی وہ زندہ ہیں اور آئندہ زمانہ میں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا باقی ہے اسی طرح دوسری طرف یہ بھی تصریح کی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو ان پر شہادت دینا باقی ہے۔ ان دونوں باتوں کے لئے ان کی تشریف آوری لازم ہے کیونکہ شہادت شہود سے مشتق ہے لہذا عیسٰی علیہ السّلام جب تک کہ پھر تشریف لاکر ان میں موجود نہوں ان پر گواہی کیسے دے سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قیامت میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام فرمائیں گے وکنت علیھم شھیدًا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم۔ یعنی میں ان پر گواہ تھا جب تک کہ میں ان میں موجود رہا اور جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تُو ہی ان کا نگران حال تھا۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام پر دو زمانے گذرے ہیں ایک ان میں موجودگی کا اور دوسرا عدم موجودگی کا ان میں سے آپ کی

شہادت کا زمانہ ۔ علاوہ جس میں کہ آپ ان کے اندر موجود تھے اور دوسرا زمانہ جس میں کہ آپ ان میں موجود نہ تھے۔ وہ آپ کی شہادت سے خارج ہے پس آئندہ اہل کتاب پر آپ کی شہادت کے لئے دوبارہ آپ کا تشریف لاکر ان میں موجود ہونا ضروری ٹھہرا اسی لئے حضرت ابوہریرۃ رضؓ اس آیت کو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کی دلیل فرماتے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ صحابی جلیل القدر تو نزول کی پیشگوئی کو قرآنی پیشگوئی کہتا ہے مگر ایک بدنصیب جماعت وہ ہے جو اس کو حدیثی پیشگوئی بھی کہنے کو تیار نہیں۔

ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور

قرآن کریم کے رفع جسمانی اور حدیث کے نزول جسمانی کے اہتمام فرمانے کی حکمت

حجیت حدیث کے مضمون میں ہم یہ پوری بات وضاحت سے لکھ چکے ہیں کہ قرآن و حدیث کے مابین متن و شرح کی سی نسبت ہے۔ آیات قرآنیہ اور تشریحات حدیثیہ پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے یہ حقیقت آپ کو اتنی ہی روشن ہوتی چلی جائے گی۔ اسی لئے آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جہاں کہیں قرآن کریم کسی مصلحت کے پیش نظر کسی مسئلہ کا ایک پہلو اپنے بیان میں لے لیتا ہے تو فوراً اسکا دوسرا پہلو حدیث لے لیتی ہے۔ اور اس طرح مسئلہ کے دونوں پہلو صاف ہوتے چلے جاتے ہیں اور درحقیقت حدیث کے بیان کہلانے کا

منشار بھی یہی ہے۔ مثلاً جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے صنف رجال میں ایک
تباہ کن فاحشہ کی بنیاد ڈالی تو قرآن کریم نے اس عمل کی حرمت کا تذکرہ بھی صرف
صرف رجال یعنی مردوں ہی میں فرمایا اور صنف نساء میں بے وجہ اس عمل کی حرمت
پر زور دینا اپنے انداز بلاغت کے خلاف سمجھا۔ ظاہر ہے کہ جب اس ماحول
میں اس نوع کا وجود ہی نہ ہو تو پھر اس کا تذکرہ کر کے ذہنوں کو خواہ مخواہ اس
طرف متوجہ کیوں کیا جائے۔ لیکن چونکہ شرعی نظر میں ان دونوں عملوں کی حرمت
یکساں تھی اس لئے حدیث نے صنف نساء میں اس کی حرمت کا اسی شد و مد
سے اعلان کیا جسطرح کہ قرآن کریم نے صنف رجال میں اس کی حرمت کا اعلان
کیا تھا۔ اور اسطرح دونوں صنفوں کے احکام وضاحت سے ہمارے
سامنے آگئے۔ ہمارے اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ اس عمل کے
حرمت کی قرآن کریم میں صنف رجال کی تخصیص اور حدیث میں صنف
نساء کی تخصیص کا سبب کیا ہے۔ اسی طرح فطری عذر کے ایام میں صنف
نساء کے ساتھ حدود اعتزال اور اختلاط کا مسئلہ ہے یعنی اس زمانہ میں
عورتوں سے کس حد تک الگ رہنا چاہئے اور کہاں تک ان کے ساتھ
اختلاط رکھنا چاہئے۔ یہاں یہود نے تو اجتناب نجاسات کے باب میں اتنا

مبالغہ کر رکھا تھا کہ ان ایام میں وہ اپنے گھروں میں بھی داخل نہ ہوتے تھے اور
نصاریٰ نے اتنی لاپرواہی اختیار کر لی تھی کہ نجاسات سے اجتناب کرنے کا
ان کے ہاں یا بہی ندارد تھا (دیکھو الجواب الصحیح صفحہ ۲۳۲ ج ۱) جب اس مسئلہ کے متعلق
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تو چونکہ یہاں قرآن کریم نے اپنے بیان
میں اعتزال کا پہلو لے لیا تھا اور یہی ضعف بشری کے مناسب بھی تھا اور صاف فرما
دیا تھا کہ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ان ایام میں عورتوں سے الگ رہو۔ تو
اس کے جواب میں آپ نے اپنے قول و عمل سے فوراً حدود اختلاط بیان فرما دئے
صحیح مسلم میں ہے کہ جب آیت فاعتزلوا النساء فی المحیض نازل ہوئی تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصنعوا کل شئ الا النکاح۔ یعنی ان ایام
میں ہم بستری کے علاوہ سب کچھ جائز ہے اب اندازہ فرمائیے کہ قرآن کریم نے تو
لفظ اعتزال کا فرمایا تھا پھر آپ نے اس کی تشریح میں حدود اختلاط کیوں بیان
فرمائیں حقیقت یہ ہے کہ حدود اعتزال اس وقت تک معین ہی نہیں ہو سکتی تھیں
جب تک کہ حدود اختلاط بیان میں نہ آجائیں۔ و بضدها تتبین الاشیاء
لہٰذا یہاں وہ حدیثیں جو ان ایام میں حضرت امہات المومنین کے ساتھ آپ کے اختلاط
کے متعلق روایت کی گئی ہیں اسی روشنی میں پڑھنی چاہئیں تاکہ یہ بات پورے طور

پر حل ہو جائے کہ ان میں آپ نے اس تاکید کے ساتھ اس کی عملی وضاحت کی کیا ضرورت سمجھی تھی۔ غرض جہاں بھی قرآن کریم نے مسئلہ کے عموم کے باوجود کسی وقتی مصلحت سے اس کا ایک پہلو بیان میں لے لیا ہے وہاں اس کا دوسرا پہلو فوراً حدیث نے لے لیا ہے۔ اور در حقیقت حدیث کے بیان ہونے کا یہی منشاء بھی ہے۔ اسی مقام سے حدیث کی اہمیت اور اس کی ضرورت کا اندازہ کر لینا چاہئے۔

اس مقدمہ کے ذہن نشین کر لینے کے بعد جب آپ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے اس معاملہ پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جب قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے رفع کا مسئلہ وضاحت سے بیان فرما دیا ہے تو یہاں حدیث کا فرض یہی ہونا چاہئے کہ وہ اسی ضابطہ کے ماتحت ان کے بعد نزول کا مسئلہ جو اس کا دوسرا پہلو ہے پورے طور پر روشن کر دے اسی لئے نزول کا یہ دوسرا پہلو حدیثوں میں اتنی تفصیل و تاکید سے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا گیا ہے اور اس کو مختلف صحابہ اور مختلف مجلسوں میں پیرایہ بہ پیرایہ اتنا واضح فرمایا گیا ہے کہ ایک طرف تو عیسیٰ علیہ السّلام کے نزول میں کسی شبہ کا نام باقی نہیں رہا اور دوسری طرف قرآن کریم کے لفظ رفع کی ایسی تشریح ہو گئی کہ اب اس میں ادنیٰ سا وہم بھی باقی

نہ رہا۔ اب آپ قرآنی لفظ رفع اور حدیث کے لفظ نزول کو جتنا ملا کر پڑھیں گے اتنا ہی ان کے رفع جسمانی اور نزول جسمانی کا مسئلہ آپ کے سامنے کھلتا چلا جائیگا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص جسم کے ساتھ اترے گا وہ یقیناً جسم ہی کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اور جو جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے اس کو یقیناً اپنے جسم ہی کے ساتھ اترنا چاہیئے

اب یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ حدیثوں میں جس کثرت کے ساتھ نزول کا تذکرہ ملتا ہے اس کثرت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا اور اسی طرح قرآن کریم میں جس صراحت کے ساتھ رفع جسمانی کا تذکرہ ملتا ہے اس صراحت کے ساتھ نزول کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا۔ حقیقت یہ ہے کہ سب قرآن کریم ان کے رفع کی تصریح فرما چکا تھا تو اب حدیث کی نظر میں یہ مسئلہ تو ایک طے شدہ مسئلہ تھا اس کے تکرار کی ضرورت کیا تھی اس لئے حدیثوں میں اس کے دوسرے پہلو پر یعنی نزول پر زور دیا گیا ہے۔ اور اسی پہلو پر زور دینا مناسب بھی تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جتنی تفصیلات ثابت ہو چکیں کیا اس کے بعد بھی یہاں تاویل کرنا معقول ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا مسئلہ ہر ممکن تشریح کے ساتھ معرض بیان میں آچکا ہے

یعنی آپ کا اسم مبارک آپ کا نام و نسب اور اس خاص نسب نامہ کی خصوصیت یعنی صرف مال سے آپ کی پیدائش، آپ کا حلیۂ مبارک، اس شہر کا نام جہاں آپ کا نزول ہوگا اور پھر خاص اس جگہ کا نام بھی جہاں آپ کا نزول ہوگا، نزول کا وقت اور اس وقت آپ کا مکمل نقشہ، نزول کے بعد پہلی نماز میں آپ کا امام یا مقتدی ہونا، آپ کا منصب، آپکی خدمات مفوضہ، آپ کی مدت قیام، آپ کے دور کی محیر العقول فراوانی اور عدل و انصاف، آپ کی زندگی کے اہم کارنامے، آپ کا شادی کرنا اور اولاد ہونا حتیٰ کہ آپ کا وفات پانا اور آپ کے مدفن کی مکمل تحقیق۔ اب انصاف سے فرمایئے کہ اس مسئلے کے سمجھنے کے لئے آپ کو اور کن تفصیلات کا انتظار ہے سوال یہ ہے کہ کسی واقعہ کی تعیین و تشریح کے لئے اس سے زیادہ آخر اور کیا طریق اختیار کیا جائے۔ آج دنیوی مقدمات میں صرف مدعی اور مدعی علیہ اور ان کے باپ دادوں کے نام انکی تعیین کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں اور آئندہ مقدمہ کی تمام کارروائی اسی معین شدہ شخص سے متعلق سمجھی جاتی ہے اسی طرح خطوط، بیمے، منی آرڈر اور رجسٹریاں وغیرہ صرف شہر اور اس شخص کے نام لکھ دینے سے اس کو تقسیم کر دی جاتی ہیں حیرت ہے کہ جب دنیا کے ہر چھوٹے بڑے شعبہ میں

معمولی درجہ کی تعیین کافی سمجھی جاتی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السّلام کے معاملہ میں اتنی مفصل تاریخ کیوں نا کافی ہے۔ اچھا فرض کر لیجیے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے نزول کا مسئلہ آپ خود اپنی عبارت میں ادا کرنا چاہیں تو آخر آپ اور کس طرح ادا کریں گے کہ اس کے بعد اس میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ اگر درحقیقت اس پیشگوئی کا مصداق رسول اسرائیل کی بجائے خود اسی اُمّت کا کوئی فرد ہو جو اسی اُمّت میں پیدا ہونے والا ہو جس کا نہ یہ نام ہو نہ یہ نسب نامہ نہ یہ حلیہ نہ یہ جائے نزول نہ یہ منصب اور نہ یہ کارنامے تو کیا اس بیان کو ایسے شخص کے حق میں ایک گمراہ کن بیان نہ کہا جائے گا۔ کیا آج کسی شخص کی پیدائش کا معمولی مسئلہ کوئی ادنیٰ زبان داں شخص بیان کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اسی طرح اسکو مجاز و استعارہ کی بھول بھلیاں میں ادا کرے گا چہ جائے کہ ایک رسول اور رسول بھی وہ جو افصح العرب والعجم ہو پس اگر دنیوی معاملات میں بادشاہوں سے لے کر فقراء اور اولیاء سے لے کر رسولوں تک کی پیدائش کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کئے جاتے تو پھر مجاز و استعارہ کی یہ ساری رام کہانی خاص حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہی کے بارے میں کیوں گائی جاتی ہے

> حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں سب سے زیادہ اہم لفظ رفع کا ہے توفی کا لفظ قرآن کریم کی نظر میں اتنا اہم نہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں سورۂ آل عمران میں تین لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ توفی. رفع الی اللہ اور تطہیر اور سورہ نساء میں جہاں ان کے مقدمہ پر خاص طور پر بحث کی گئی ہے وہاں صرف رفع الی اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ان تینوں الفاظ میں تطہیر کا لفظ توفی و رفع کے تابع ہے چونکہ کفار سے ان کی تطہیر کا مقصد ان سے ان کی علیحدگی تھی اب وہ خواہ کسی صورت سے بھی ہو اس لئے قابل بحث دو ہی لفظ ہیں۔ توفی۔ رفع الی اللہ ان دو میں سے جس لفظ کو ان کے مقدمہ میں بصیغہ ماضی بیان کیا گیا ہے وہ صرف لفظ رفع کا ہے جس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ توفی اور رفع کے دو وعدوں میں رفع کا وعدہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے پہلے پہلے پورا ہو چکا تھا اور اسی لئے اس کو بصیغہ ماضی ذکر فرمایا گیا ہے اور کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ توفی بمعنی موت کا وعدہ بھی اس وقت پورا ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کو بصیغہ ماضی ذکر نہیں فرمایا گیا۔ ہاں سورۂ مائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زبان سے توفی کا لفظ گو بصیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے۔ مگر حسب تصریح قرآن کریم وہ ان کے مقدمہ کے ذیل میں نہیں ہے بلکہ اس سوال کے جواب میں ہے جو محشر میں ان سے ہوگا اور ظاہر ہے کہ قیامت

سے قبل انکی موت واقع ہونا سب کو مسلّم ہے لیکن جہاں قرآن کریم ان کے مقدمہ پر بحث کی ہے اور ان کے معاملہ کے انکشاف کی طرف توجہ فرمائی ہے وہاں صرف لفظ رفع ہی استعمال فرمایا ہے اور توفی کا لفظ ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ سورۂ نساء میں ہے۔ وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ۔ یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اگر توفی کے معنی موت ہوتے اور ان کی موت واقع ہو چکی ہوتی تو ضروری تھا کہ یہاں بل توفّاہ اللہ فرمایا جاتا۔

خلاصہ یہ اس معاملہ میں اصل فیصلہ کن لفظ رفع کا ہے اسی لئے مقدمہ کے فیصلہ میں خاص طور پر اسی لفظ پر زور دیا گیا ہے اور توفی کے لفظ کو اہمیت نہیں دی گئی اس لئے یہاں جنہوں نے لفظ توفی کی لغوی تحقیق پر اپنا وقت خرچ کیا ہے وہ بالکل ضائع کیا ہے کیونکہ توفی خواہ کسی معنی میں بھی مستعمل ہو مگر قرآن کریم نے اپنے فیصلہ میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیا یہ امر قابل غور نہیں کہ اگر عیسیٰ علیہ السّلام کی موت واقع ہو چکی تھی تو آخر ہر مقام پر اس حقیقت کا اخفاء کیوں کیا گیا ہے اور کیوں صاف الفاظ میں یہ نہیں فرما دیا گیا۔ وما قتلوہ یقیناً بل مات۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مسئلہ پوری تفصیلات
کے ساتھ زیر بحث آ چکا ہے یہاں انکے معاملہ میں
ایک ایک لفظ پر علیحدہ بحث کرنا معقول نہیں

یہ بات بھی بڑی اہمیت کے ساتھ یاد
رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام
کا یہ معاملہ قدر مشترک طور پر ایک قومی تواتر رکھتا ہے۔ کتب سابقہ سے لے کر قرآن
کریم اور احادیث نبویہ تک اس کے جزئی جزئی واقعات کی تفصیل آ چکی ہے۔
کتب لغت اٹھا کر صرف لفظ نزول یا صرف لفظ رفع یا صرف لفظ توفی پر علیحدہ
علیحدہ بحث کرنی نہ صرف ایک بے معنی بحث ہے۔ بلکہ ایک حقیقت کو مسخ کرنے
کے مرادف ہے سیدھی بات یہ ہے کہ ان کے بارے میں جتنے تفصیلی واقعات معرض
بیان میں آ چکے ہیں ان کی روشنی میں ان الفاظ کے معنی متعین کئے جائیں کیونکہ الفاظ
صورت واقعہ کی تعبیر کا ایک طریقہ ہوتے ہیں۔ یہاں واقعہ سے قطع نظر کر کے
الفاظ میں مجاز و استعارہ کی بے وجہ بحث کھڑی کر دینی حد درجہ غیر معقول ہے
پس کسی لفظ کے معنی حقیقی یا مجازی متعین کرنے کے لئے صرف لغت کی عام بحث
شروع کر دینی صحیح طریقہ نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے استعمال کا محل مع قرائن اور
خارجی حالات پر نظر ڈالنی بھی ضروری ہے۔ مثلاً لفظ "اسد" عربی زبان میں اس کے
معنی شیر ہیں۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ عربی اردو محاورات میں ایک بہادر
شخص کو بھی مجازاً شیر کہہ دیتے ہیں۔ اب کسی سے صرف ہٰذا اسد کا جملہ سن کر یہی رٹ

لگائے جانا کہ اس جملے کا مقصد صرف کسی بہادر شخص کی طرف اشارہ کرنا ہے اور
اس محاورہ کے لئے دواوین عرب اور شعراء کے کلام سے استدلال کرتے چلے
جانا کتنی بڑی غلطی ہے بعض اوقات اس کے متکلم کے لئے باعث ہلاکت بھی بن
سکتی ہے۔ یہاں اس بحث سے پہلے یہ تحقیق کرلی ضروری ہوگی کہ یہ جملہ کس مقام
پر کہا گیا ہے بستی میں یا جنگل میں کسی عام مجمع میں یا کسی بیابان میں سیاق کلام کسی کی مدح
ثنا کا ہے یا خوف ہراس کا۔ اب اگر یہ جملہ جنگل میں کسی شخص کی زبان سے نکلتا ہے
جس کے سامنے شیر کھڑا ہو اسکی آواز کانپ رہی ہے اور جسم لرز رہا ہے تو اسوقت
انصاف سے فرمایئے کہ لفظ " اسد " کے مجازی معنی یعنی بہادر انسان مراد
لینا اور اس کے لئے ہزاروں اشعار پڑھ ڈالنا اور یہی کہے چلے جانا کہ اس شخص کی مراد
شیر نہیں بلکہ ایک بہادر انسان کی طرف اشارہ کرنا ہے کیا ایک صحیح العقل انسان
کا کام ہو سکتا ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے زیر بحث معاملہ میں بھی ان تمام
تفصیلات کو پیش نظر رکھنا لازم ہے جو صحیح طریقوں سے ثابت ہیں پھر جب یہ طرف
بھی نظر کی جائے گی کہ قرآن و حدیث میں جو جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ الفاظ کسی
دوسرے شخص کے حق میں بیک وقت آج تک استعمال نہیں کئے گئے تو یقیناً یہ
ماننا پڑے گا کہ ان کا معاملہ ہی سب سے جداگانہ معاملہ ہے چنانچہ لفظ توفی اور رفع

کا علیحدہ علیحدہ استعمال قرآن کریم میں آپ کو بہت جگہ نظر آئے گا لیکن ایک ہی شخصیت کے بارے میں یہ دونوں لفظ ایک ہی سیاق میں کسی دوسری شخصیت کے متعلق آپ کو کہیں نظر نہیں آئیں گے سورۃ آل عمران میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شان میں یہ ہر دو لفظ اس طرح فرما دئے گئے ہیں۔ یعیسٰی انی متوفیک ورافعک الی۔ ان کے علاوہ کسی کے حق میں ان دونوں لفظوں کو جمع نہیں کیا گیا اسی طرح نزول کا لفظ بھی محاورات میں بہت جگہ آپکی نظروں سے گذرے گا۔ لیکن نزول سے ساتھ رفع اور رفع کے ساتھ نزول پھر نزول کی اتنی تفصیلات کسی ایک مقام پر بھی کسی کے حق میں آپ کی نظروں سے نہیں گذریں گی نہ کسی لغت میں نہ شعراء کے کلام میں نہ کسی آیت میں نہ کسی حدیث میں پس جب آپ ان جملہ امور پر غور کریں گے کہ حدیث و قرآن میں جو الفاظ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شان میں ایک جگہ جمع کر دیے گئے ہیں وہ کسی بشر کے لئے بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں کئے گئے تو پھر صرف ایک یہی نتیجہ بدیہی ہو کر آپ کے سامنے آجائے گا کہ ان کا معاملہ بھی یقیناً سب سے الگ معاملہ ہے یہاں ایک ایک لفظ کو علیحدہ علیحدہ لے کر بحث کرنا یا اس میں مجاز و استعارہ کی آڑ لینا کتنا بے جا ہے سوال سیدھا یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں قرآن و حدیث میں بیک وقت یہ سب الفاظ استعمال ہوئے ہوں اور جبکہ

ساتھ اس کے یہ تفصیلی سوانح بیانات بھی موجود ہیں کیا اس کے بعد بھی ان میں لغوی موشگافیوں اور مجاز و استعارہ کی تاویلات کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

اسلام صرف علمی مذہب نہیں بلکہ سلف صالحین سے اس کی عملی صورت بھی منقول و نقل چلی آتی ہے لہذا محض کتب لغت کی مدد سے اس کی کوئی اور شکل بنا لینا درست نہیں

یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام صرف ایک علمی مذہب نہیں ہے جس کو صرف دماغی کاوشوں نے پیدا کیا ہو بلکہ وہ ایک مجموعی شکل و صورت کے ساتھ بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے۔ ہمارے دین کا تمام تر تعلق اوپر سے ہے ہم نیچے سے کسی عملاً نئے دین تراشنے کے مجاز نہیں اس کے بانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے اُن سے صحابہ نے اس کے شعبۂ اعمال سیکھے اور اس کے بنیادی عقائد بھی سیکھے آپ نے ان پر خود بھی ایمان رکھا اور ان ہی پر بعد کی امت کو ایمان رکھنے کی وصیت فرمائی اور پھر کسی درمیانی انقطاع کے بغیر اسی طرح دین امت کے سپرد ہوتا رہا ہے۔ ادھر حفاظت الٰہیہ کا یہ کرشمہ تھا کہ بحث و تحیص کا جو مرحلہ تھا وہ سب تبع تابعین کے دور ہی میں ختم ہو چکا تھا یہ وہ قرن ہے جس کے متعلق خیریت کی شہادت خود لسان نبوت سے نکل چکی ہے اس لئے جب کسی دین کے مسئلہ پر بحث کی جائے تو اس کو محض دماغی کاوش اور لغت کی مدد سے شروع کر دینا ایک بنیادی غلطی ہے یہاں ریسرچ کے اصول کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ کام خود انبیاء علیہم السلام

کا بھی نہیں اس کو قدرت نے براہ راست خود اپنے ہی دست قدرت میں لکھا ہے
ان کی بھی مجال نہیں کہ حکم ایزدی کے بغیر وہ ایک نقطہ کا اضافہ یا ایک نقطہ کی ترمیم کر سکیں
چنانچہ ارشاد ہے۔

واذا تتلیٰ علیهم آیاتنا — جب ہمارے کھلے کھلے احکام ان لوگوں کو پڑھ کر سنائے
بینات قال الذین لا یرجون — جاتے ہیں تو جن لوگوں کو ہماری ملاقات کی امید نہیں وہ ترمیم کی
لقاءنا ائت بقرآن غیر هذا — یہ فرمائش کرتے ہیں کہ اسکے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا
او بدله قل ما یکون لی ان — کم از کم اسی میں کچھ رد و بدل کر دو۔ کہدو کہ یہ تو ایسا
ابدله من تلقاء نفسی ان — نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی رد و بدل کر سکوں
اتبع الا ما یوحیٰ الی الخ — میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس وحی آتی ہے۔

اس ترمیم و تبدیل کا انحصار کچھ الفاظ ہی پر نہیں ہے بلکہ اس سے معانی کو بھی شامل
ہے۔ اور وہ لفظی ترمیم سے زیادہ شدید ہے۔ یہود نے دونوں
قسموں کی تحریفیں کی تھیں توراۃ کے الفاظ میں بھی اور ان کے معانی میں بھی۔
قرآن کریم چونکہ آخری کتاب تھی اس لئے وہ دونوں قسموں کی تحریفوں سے محفوظ
ہے۔ لفظی ترمیم کا تو یہاں کوئی امکان ہی نہیں۔ رہی معنوی ترمیم و تحریف تو
امت کے بعض ملحد فرقوں نے تو اس میں یہود کو بھی مات دیدی ہے۔

اس کی معنوی حفاظت کی وجہ سے وہ اصل دین پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکی اور ہر دور میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نہیں کیا جاتا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص آج یہ دعویٰ کرنے لگے کہ نمازیں پانچ نہیں صرف دو ہیں اور اس کے لئے دماغی تراشیدہ دلائل کا ڈھیر لگا دے تو اس کی یہ سعی بالکل بے سود ہو گی۔ اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اُمت اوپر سے بھی صرف دو ہی نمازیں پڑھا کرتی تھی بلکہ اس کو یہ بھی بتانا ہوگا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت اگر غلط ہے تو پھر اس کی بنیاد کس دن سے قائم ہوئی اسی طرح مسئلہ جنت و دوزخ، فرشتے اور جنات وغیرہا کی حقیقتیں صرف لفظی بحثوں سے نئی نئی بنا کر پیش کرنا بھی غلط ہے کیونکہ یہ الفاظ جس طرح اوپر سے منقول ہوتے چلے آتے ہیں اسی طرح ان کے معانی بھی اوپر ہی سے مفہوم اور معلوم ہوتے چلے آئے ہیں اسی طرح ختم نبوت اور نزول مسیح علیہ السلام کے الفاظ کا حال ہے یہ بھی امت میں ہمیشہ سے مستعمل ہوتے چلے آئے ہیں اور ہر دور میں اس سے صرف یہی ایک معنی سمجھے گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں بننے کا اور اسی کے ساتھ یہ بھی منقول ہوتا چلا آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آنے والے ہیں اب ذرا اس پر غور فرمائیے کہ ایک طرف نبی کی آمد کی ممانعت بھی منقول ہے اور دوسرے ساتھ اسرائیلی رسول کی آمد

بھی منقول ہے۔ اب اگر کوئی اپنی دماغی کاوش سے یہ کہنے بیٹھ جائے کہ جب آپ کے
بعد کوئی نبی نہیں تو عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں یا اگر عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو اور نبی بھی
آئیں گے تو اس کا حاصل صرف اپنی دماغی کاوش سے ایک علمی دین بنانا ہوگا
اس کو منقول شدہ دین نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر فرض کرو ہمارا کہنا صحیح نہیں تو پھر
آپ کو کسی تاریخ سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ فلاں تاریخ سے اس غلط عقیدہ کی
بنیاد قائم ہوئی ہے مگر یہاں اسلامی تاریخ تو درکنار اگر اس بارے میں دوسرے
اہل مذاہب سے آپ اس امت کا عقیدہ پوچھیں تو وہ بھی کسی تردد کے بغیر آپ کو
یہی بتلائے گا کہ ان کے نزدیک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا ہاں عیسیٰ علیہ السلام
اور نبی رسول آئیں گے اس وقت یہ بحث نہیں ہے کہ یہ عقیدہ خلاف قیاس
ہے یا نہیں یا نزول کے اور ختم کے الفاظ میں تضاد کیا ہے اور ختم نبوت اور
نزول میں تطبیق کی صورت کیا ہے بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ امت میں
ان الفاظ کے معنی کیا سمجھے جاتے رہے ہیں تو آپ صرف اسی ایک [illegible] بالا
نتیجہ پر پہنچیں گے یہی وجہ ہے کہ تفسیروں میں اور شروح حدیث میں کتب عقائد
میں اور دین کے تمام معتبر لٹریچر میں اسی حقیقت کو دہرایا گیا ہے اور اسی حقیقت
کے ماتحت ہر مدعی نبوت اور ہر مدعی مسیحیت کی تکفیر اور تردید کی گئی ہے لہٰذا

کے متعلق قتل کرنے کا دعویٰ کاذب ہے اب ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ یہاں یہود ملعون کا بیان کیا ہے اور پھر ان بیانات ہی کی روشنی میں قرآنی فیصلہ پر غور کرنا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی حیثیت چونکہ ایک حکم اور قول فیصل کی ہے اس لئے ہم کو یہ امر خاص طور پر محوظ رکھنا چاہیئے کہ جس معاملہ کے متعلق قرآن کریم نے فیصلہ فرمایا ہے اس میں فریقین کے بیانات نقل کئے ہیں یہاں اس میں کسی ایک کا اپنی جانب سے اضافہ کرنا ہو مقدمہ میں جان بوجھ کر خیانت یا عجز کا بڑا اتہام ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہر عدالت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ فریقین کے بیانات نہایت احتیاط کے ساتھ ضبط کرے اور بالخصوص جو اجزاء کسی فریق کے مقصد کے مطابق زیادہ مفید اور قابل طرح ہوں ان کو پورے طور پر واضح کرے آج بھی اگر کوئی عدالت فریقین کے بیانات قلمبند کرنے میں ایسی تقصیر کر جائے تو اس کے حق میں یہ کتنا بڑا سنگین جرم شمار ہوتا ہے پس ہمارے نزدیک جو بات یہاں صورت واقعہ کو آسانی سے حل کر دے سکتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ہم فریقین کے بیانات کو حاشیہ آرائی کے بغیر دیکھیں اس کے بعد کسی تاویل کے بغیر قرآنی فیصلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس قاعدہ کے موافق جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کا معاملہ سامنے رکھتے ہیں تو جو بیان ہم کو یہاں یہود کا ملتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اُن کو قتل کر ڈالا ہے رہا یہ کہ کس غرض سے ان کو قتل کیا ہے اور کس آلہ سے قتل کیا ہے اس کو انہوں نے نہ یہاں بیان کیا ہے اور نہ یہ باتیں ان کے نزدیک کچھ اہم معلوم ہوتی ہیں جس بات پر انہوں نے اپنے بیان دعویٰ میں زور دیا ہے وہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کی تشخیص و تعیین ہے دوم ان کے قتل کرنے کا پورا جزم و یقین ہے اسی لئے مقتول کے صرف نام یا لقب ہی پر انہوں نے کفایت نہیں کی بلکہ خاص طور پر ان کی خاص مادری نسبت کا بھی ذکر کیا ہے یعنی والد کے بغیر پیدائش اور اس سے بھی زیادہ یہ کہا ہے کہ یہ شخص وہی ہے جو رسول اللہ کہلاتا ہے اس کے بعد انہوں نے اپنی جسارت کا بیباکانہ ذکر کیا ہے وہ قتل کا جرم ہے چنانچہ اسکو بھی انہوں نے لفظ "اِنّا" سے ذکر کیا ہے جو عربی زبان میں جزم و یقین کے لئے مستعمل ہے تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کو نہ تو اپنے فعل قتل میں کوئی شبہ ہے اور نہ اس مقتول کی ذات میں کوئی شبہ ہے جس کے قتل کا ان کو دعویٰ تھا۔ اس سے زیادہ اور کوئی بات یہاں نقل نہیں کی گئی۔ اسی لئے قرآنی فیصلہ بھی ہم کو صرف اسی بیان کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔

نصاریٰ کے متعلق یہاں قرآن کریم نے صرف اتنا ہی کہا ہے کہ وہ یقینی طور
پر کوئی بات نہیں کہتے مختلف باتیں بناتے ہیں اور چند وجوہات کی بناء پر حقیقت
کا ان کو کچھ پتہ ہی نہیں ہے اس لئے صرف اٹکل کے تیر چلانے کے سوا ان کے
لئے چارہ [illegible] ہی کیا ہے۔ ہاں اجمالی طور پر ان کا یہ خیال ضرور تھا کہ وہ اپنے جسم
ناسوتی یا لاہوتی کے ساتھ آسمانوں پر اٹھائے گئے اب ظاہر بات ہے کہ قرآنی
الفاظ کے مطابق جو بات یہاں متنازع فیہ نظر آتی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی زندہ شخصیت ہے یہود کہتے تھے کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے اور نصاریٰ
اس خیال کے تھے کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ ان کی روح کے متعلق نہ
یہاں کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کا تذکرہ معرض بحث میں لایا جا سکتا ہے کیونکہ
روح کا معاملہ ایک غیبی معاملہ ہے وہ انسان کے ادراک سے بالاتر بات ہے
اس پر نہ یہود کوئی حجت قائم کر سکتے ہیں اور نہ قرآنی بیان اسے تسلیم کرتے ہیں
اس لئے حسب تصریح قرآن کریم ان کے دعویٰ ہی میں روح زیر بحث
نہ تھی تو فیصلہ میں اس کا ذکر کیسے آ سکتا ہے ظاہر ہے کہ قتل کا فعل جسم پر وارد ہوتا
ہے روح پر وارد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان کے [illegible] کے مقابلہ میں جب خدائی فیصلہ یہ ہو کہ
وہ مقتول نہیں ہوئے بلکہ مرفوع ہوئے ہیں تو یہاں رفع سے جسم ہی کا رفع مراد ہو گا

نہ کہ روح کا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور ان کے عزت سے مرجانے کی جدید داستان

یہاں یک جماعت کا خیال یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھادیا تھا اُن کے سر پر کانٹوں کا تاج بھی رکھا، منہ پر تھوکا بھی اور جو کچھ نہ کرنا تھا وہ سب کچھ کرلیا تھا (والعیاذ باللہ) حتیٰ کہ جب انکو پورا یقین ہوگیا کہ انہوں نے ان کو درحقیقت مار ڈالا ہے تو ان کو سولی سے اتارا اگر ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی تھی آخر وہ چھپ کر کشمیر یا دنیا کے کسی غیر معروف شہر میں آکر اپنی موت مرے اس جماعت کے نزدیک یہود کا یہ گمان تھا کہ جو شخص بھی صلیب کے ذریعہ مارا جاتا ہے وہ لعنتی موت مرتا ہے۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رسول ہونے کی بجائے ان کا ملعون ہونا ثابت کریں اس لئے ان کے نزدیک یہ ازبس ضروری تھا کہ ان کی موت صلیبی موت ہوتا کہ وہ ان کے لعنتی ہونے کا ثبوت بن سکے۔ اس جماعت کو یہود کے یہ سب جرائم مسلّم ہیں یعنی اُن کا سولی دینا اور تمام اہانت کے اسباب کا ارتکاب کرنا حتیٰ کہ ان کو اس نوبت میں پہنچادینا کہ ان کے حق میں زندگی کا کوئی امکان بھی باقی نہ رہے۔ اور یہاں قرآنی تردید کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں گو اسباب موت سب

پورے ہو چکے تھے مگر ان میں کچھ جان باقی رہ گئی تھی اس لئے وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ کہیں جا کر خود اپنی موت مرے ہیں۔ اس لئے ان کی موت لعنتی موت نہیں ہوئی بلکہ ان کو بڑی عزت کی موت نصیب ہوئی ہے اور ان کے بڑے درجے بلند ہوئے ان کے نزدیک بل رفعہ اللہ الیہ کی تفسیر یہی ہے۔

اب اگر واقعہ درحقیقت یہی تھا جو اس جماعت کا خیال ہے تو یہاں حسب ذیل امور قابل غور ہیں :۔

(الف) اگر درحقیقت یہود کا دعویٰ یہاں ان کی صلیبی موت کا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کے بیان میں مصلوبہ دعویٰ نقل نہیں کیا اور کیوں قتل کا ایک عام لفظ نقل کیا ہے۔

(ب) اور کیا وجہ ہے جب کہ انکا تمام زور صلیبی موت کے متعلق تھا تو تردید میں صرف نفی قتل پر زور دیا گیا ہے اور کیوں ایک ایسے غیر متعلق جرم کی نفی پر زور دیا گیا ہے جس کی نفی سے ان کے دعویٰ کی تردید کا کوئی تعلق نہیں تھا یعنی فعل قتل ظاہر ہے کہ یہ ایک عام جرم ہے جو صلیب اور غیر صلیب ہر آلہ سے ہو سکتا ہے صلیب کی نفی پر تو زور نہ دینا اور ایک عام جرم کی نفی پر زور دینا یہ کہاں تک مناسب ہے۔

(ج) پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے اگر ایک بار صلب کا انکار بھی کیا تو وہ بھی ایسے محل پر کیا ہے جو اس کا صحیح محل نہ تھا یعنی جب قرآن کریم ان کی لعنتی موت تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کی بجائے ان کی موت کو عزت کی موت قرار دیتا ہے تو پھر بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں باتوں کو مقابل بنا کر ذکر کرنا چاہئیے تھا اور یوں کہنا تھا کہ وما صلبوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ مگر کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہاں بھی قرآن کریم نے خاص صلیب کی بجائے صرف ایک عام فعل قتل کی نفی فرمائی ہے۔ اور یوں فرمایا ہے کہ ۔ وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ۔

(د) اس تفسیر کی بناء پر یہ غور کرنا بھی ضروری ہے کہ جو چیز موقعہ واردات پر واقع ہوئی وہ یہ تھی کہ وہ کشمیر یا اور کسی طرف چلے گئے تھے وہاں کی موت کا منکر تو اگر ان کی موت کہیں جاکر واقع ہوئی تو یہ سالوں یا مدتوں بعد کا معاملہ ہے پس جو بات یہاں صورت حال بتانے کے لئے ضروری تھی اس کو کیوں ظاہر نہیں کیا گیا ہے اور صاف طور پر یہ کیوں نہیں فرمادیا گیا کہ یہود نے ان کو سولی نہیں دی بلکہ وہ زندہ کشمیر وغیرہ کہیں چلے گئے تھے تاکہ یہ بات واضح ہو جاتی کہ صلیبی موت سے بچنے کی انکی شکل کیا ہوئی پس اصل حقیقت کا تو اخفاء کرنا اور موت کی ایک عام سنت کا بیان کرنا یہ کس درجہ

بے محل اور غیر متعلق بات ہے۔

(۵) اس سے بڑھکر یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر اصل بات ان کی طبعی موت تھی تو یہاں بل رفعہ اللہ الیہ کی بجائے بل توفاہ اللہ کہنا زیادہ مناسب تھا تاکہ ثابت ہو جاتا کہ وہ صلیبی موت سے نہیں مرے بلکہ طبعی موت سے مرے ہیں۔ اور جب اپنی طبعی موت سے مرے ہیں تو رفع درجات کا مسئلہ خودبخود ثابت ہو جاتا ہے پس اگر صورت حال کا انکشاف ہوتا ہے تو وہ اسی صورت سے ہوتا ہے کہ یہاں ان کی طبعی موت کا ذکر کیا جائے۔

لیکن آیت بالا میں یہاں ان تینوں لفاظ میں سے کوئی لفظ نہیں ہے۔

نہ یہ (۱) وما صلبوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ

نہ یہ (۲) وما قتلوہ یقیناً بل اذھبہ اللہ الی الکشمیر

اور نہ یہ (۳) وما قتلوہ یقیناً بل توفاہ اللہ

اب اگر ہم اس جماعت کے خیالات کو صحیح تسلیم کرتے ہیں تو ہم کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ سرے سے یہود کا اصل دعویٰ ہی یہاں مذکور نہیں یعنی ان کا صلیب دینا کیونکہ ان کے بیان کے مطابق ان کا لعنتی ہونا اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ان کی موت صلیب کے ذریعہ واقع ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں ان کے

دعویٰ میں قتل کے عام جرم کا نقل کرنا مدعیین کے دعویٰ کی بھی اور ان کے مقاصد کے بھی بالکل خلاف ہے، اسی طرح جب ہم قرآن کریم کے فیصلہ پر نظر کرتے ہیں تو یہاں بھی واقعہ کی اصل صورت بالکل مبہم نظر آتی ہے۔ اور صورتِ حال کا کچھ انکشاف نہیں ہوتا کیونکہ نہ یہاں ان کے کشمیر جانے کا ذکر ہے نہ ان کے طبعی وفات پانے کا کوئی تذکرہ ہے اس لئے اس کا کوئی انکشاف نہیں ہوتا کہ ملزمین جس کے قتل کے اس شد و مد کے ساتھ مدعی تھے اگر وہ شخص مقتول نہیں ہو تو آخر بھر کدھر گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے متعلق جو نہ صرف ان کے زیر حراست آچکا تھا بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے مر بھی چکا تھا صرف یہ کہدینا کہ وہ سولی پر نہیں مرا تھا بلکہ عزت کی موت مرا تھا کیا تشفی بخش تھا ہاں اگر یہ کہدیا جاتا کہ ہم نے اس کو فلاں مقام پر بھیجدیا تھا اور اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا جاتا کہ مدعیین کے لئے اس مغالطہ لگنے کا باعث کیا تھا تو بیشک صورت حال پر روشنی پڑ سکتی تھی لیکن صرف یہ کہدینا کہ ان کی موت عزت کی موت واقع ہوئی ہے بے معنی فیصلہ ہے اور بالکل بعید از قیاس بھی ہے۔ کیونکہ جو لوگ ان کے قتل کے مدعی تھے وہ یہود تھے اور اس بارے میں ان کو اتنا یقین تھا کہ اپنے بیان میں اس کے متعلق تاکید اور یقین کے جتنے طریقے وہ استعمال کر سکتے تھے سب استعمال کر چکے تھے اب

اگر قرآن کریم یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ تم نے ان کو سولی پر چڑھا دیا تھا مگر جب وہ سولی سے مردہ سمجھ کر اتارے گئے تھے تو وہ پورے طور سے مرے نہیں تھے اگرچہ تم کو مردہ معلوم ہوتے تھے پھر بعد میں ان کو کسی تدبیر سے بچا کر خود ہم نے ان کو موت دی تھی یہ بیان جتنا خلاف قیاس ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ خاصکر جب کہ ان کی موت تسلیم کر لی جائے جو لوگ یقینی اسباب قتل کا ارتکاب کر چکے تھے ان سے یہ کہنا کہ وہ ان اسباب سے نہیں مرے بالکل ایسی ہی مضحکہ خیز بات ہوگی جیسے کوئی قاتل اپنی صفائی کے بیان میں یہ کہے کہ مقتول کے پیٹ میں چھرا تو میں نے ہی گھونپا تھا مگر مقتول اس کی وجہ سے نہیں مرا بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے مرا ہے یہ سب جانتے ہیں کہ قاتل کے یقینی آلۂ قتل کے استعمال کرنے کے بعد ان حالات میں جب کہ موت کا ظاہری سبب وہی ہو کوئی عدالت اس کے اس عذر کو معقول نہیں سمجھے گی بلکہ اس کی سماعت مقتول کے حق میں ایک ظلم تصور کرے گی پھر یہاں سولی کا جرم تسلیم کر لینے کے بعد اور وہ بھی یہاں تک کہ ملزمین کے نزدیک اس کی موت یقینی ہو چکی ہو خالق کائنات کا یہ فیصلہ دینا کہ وہ تمہارے مارنے سے نہیں مرے بلکہ ہمارے مارنے سے مرے ہیں اس کے مقابلہ میں کیا اثر انداز ہو سکتا ہے بالخصوص جب کہ اس بعید از قیاس دعویٰ کے لئے کوئی قرینہ بھی یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں اگر اس فیصلہ کو

تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہی نکلے گا کہ اپنے دشمن کی ہلاکت جو ہر شخص کا مقصد ہوتا ہے یہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے پورا کر دیا تھا دشمنوں کے مقابلہ میں اب یہ بحث کھڑی کرنی کہ ان کی یہ موت بڑی عزت کی موت تھی ہمارے نزدیک زخموں پر نمک پاشی سے کم نہیں۔

یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ حسب بیان قرآن کریم یہود کے جرم کی جو نوعیت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معاملہ میں تھی وہی نوعیت دوسرے انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ بھی تھی یعنی قتل دونوں مقامات پر قرآن کریم نے ایک ہی لفظ قتل کو استعمال فرمایا ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے قتل ہونے کو اس نے تسلیم نہیں کیا اور دیگر انبیاء علیہم السّلام کے حق میں تسلیم کر لیا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ جب یہاں مدعیین بھی ایک ہی قوم تھی اور دعویٰ بھی ایک تھا تو پھر صرف ایک عیسیٰ علیہ السّلام کی خصوصیت کیا تھی کہ ان کے حق میں انکے رفع روحانی یا عزت کی موت کی تصریح ضروری سمجھی گئی ہے اور دیگر انبیاء علیہم السّلام کے حق میں انکی موت کے متعلق ایک کلمہ تک نہیں فرمایا گیا حالانکہ یہود کا مقصد ان کے قتل کرنے سے بھی اس کے سوا اور کیا تھا کہ ان کے نزدیک یہ سب مقدس گروہ بھی لعنتی تھا (والعیاذ باللہ) کیا اس سکوت کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ ان کے معاملہ میں رفع

روحانی یا رفع درجات تسلیم نہیں کیا گیا۔ والعیاذ باللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ روح کے رفع یا عدم رفع کا مسئلہ نہ یہاں زیر بحث تھا اور نہ یہ مسئلہ کسی کے حق میں خواہ عیسٰی علیہ السّلام ہوں یا دیگر انبیاء علیہم السّلام زیر بحث آنے کے قابل ہے۔

پھر اگر یہاں رفع سے رفع روحانی مراد ہوتا تو کیا اس کے لئے صرف بل رفعہ اللہ کا لفظ کافی نہ تھا۔ یہاں لفظ الیہ کا بے ضرورت کیوں اضافہ کیا گیا ہے۔

صلیبی موت کا لعنتی ہونا اور اس کے مقابلہ میں عزت کی موت کا افسانہ اسلام میں بالکل بے اصل بلکہ غیر معقول ہے

رفع روحانی اور عزت کی موت کا یہ سارا افسانہ اس پر مبنی ہے کہ صلیبی موت کے لعنتی موت ہونے کی شریعت کی نظر میں کوئی اصلیت بھی ہو لیکن اگر یہ تخیل ہی بے بنیاد ہے تو پھر نہ قرآن کریم کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے اور نہ کسی غلط بنیاد پر وہ اپنے صحیح فیصلہ کو مبنی کر سکتا ہے۔ جب اس پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لعنتی موت کا اسلام میں کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہاں کفار جتنے ہیں وہ سب کے سب ملعون ہیں خواہ زندہ ہوں یا مردہ سولی پاکر مریں یا گولی کھا کر آخر یہود جب ملعون قرار دئے گئے تو کیا یہ لعنت ان۔ دم کے ساتھ ساتھ نہ رہی۔ یقینا

حیات ہے لے کر موت اور موت سے لے کر قیامت اور قیامت سے جنم تک ان کے ساتھ لگی رہے گی۔ جملہ ادیان سماویہ میں موت کے اچھے اور بُرے ہونے کا تعلق انسانوں کے اعمال پر رکھا گیا ہے نہ کسی خاص آلۂ قتل پر اور یہی بات معقول بھی ہے۔ یہ بات بالکل غیر معقول ہے کہ ایک پاکباز انسان اگر سولی پر مارا جائے تو وہ بھی صرف آلۂ قتل کی وجہ سے لعنتی بن جائے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے دیگر انبیاء علیہم السّلام کے متعلق یہود کے جرمِ قتل کا اعتراف کرنے کے باوجود ان کی عزت کی موت ہونے کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور نہ اس بدیہی بات کی طرف توجہ کی ضرورت تھی بلکہ جس بات کی اہمیت محسوس فرمائی وہ یہ ہے کہ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس نے قتل کا وبال یہ ہے کہ جو جماعت ... خدا کی نعمت کا گہوارہ بنی ہوئی تھی اب وہ مورد لعنت بن گئی ہے تعجب ہے کہ سیاق و سباق کلام تو یہود کے ملعون ہونے کے اسباب بیان کرنے کا تقاضا کر رہا ہے نہ کہ اس سے الگ ہو کر عیسیٰ علیہ السّلام کے ملعون ہونے نہ ہونے کی بحث کھڑی کر دی جاتی۔

رفع کا لفظ قرآن کریم میں ایک جگہ بھی معنی موت کی تردید کے لئے مستعمل نہیں

بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ لفظ رفع کے معنی پر بھی غور کر لیا جائے کیا یہ لفظ عرف قرآنی میں

کہیں عزت کی موت کے لئے استعمال ہوا ہے؟ جہاں تک ہم نے قرآن کریم اور کتب لغت پر نظر کی ہے ہم کو اس لفظ کے معنی کہیں لغتی موت کے یا ذلیل عزت کی موت دینے کے ثابت نہیں ہوئے بلکہ اس لفظ کا استعمال غیر ذی روح میں بھی ہوا ہے جہاں موت کا احتمال ہی نہیں ارشاد ہوتا ہے رفع السموٰت بغیر عمد ترونہا۔

رفع کے معنے قرآن و لغت میں

یہاں لفظ "رفع" آسمانوں کے متعلق استعمال ہوا ہے اسی طرح اس کا استعمال زندوں اور مردوں میں یکساں نظر آتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آیات ذیل پر نظر فرمائیے۔

(۱) ورفعنا بعضہم فوق بعض درجات

(۲) یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجاتٍ

(۳) ولو شئنا لرفعناہ بہا ولکنہ اخلد الی الارضِ

(۴) ورفعناہ مکاناً علیاً

(۵) ورفعنا لک ذکرک

(۶) ورفع ابویہ علی العرشِ

ان تمام آیتوں میں رفع کا لفظ انسانوں ہی میں استعمال ہوا ہے مگر کسی ایک جگہ بھی
اس کے معنے عزت کی موت کے مراد نہیں ہیں بلکہ مُردوں میں اسکا استعمال ہی نہیں ہوا
یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے رفع جسمانی کا مسئلہ گویا صرف
لفظ رفع سے پیدا ہو گیا ہے اور اس لئے ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ رفع کا لفظ
رفع جسمانی کے لئے آیا ہے یا نہیں درحقیقت یہ بحث کا رخ پلٹنے کیلئے صرف ایک چال
ہے اصل سوال یہ تھا کہ یہ لفظ عزت کی موت کیلئے کہیں استعمال ہوا ہے یا نہیں
اور چونکہ یہ معنی کہیں ثابت نہیں اسلئے بحث کا رخ بدلنے کیلئے ذہنوں کو ایک دوسرے
سوال کی طرف متوجہ کر دیا گیا ہے تاکہ اصل سوال کی طرف کسی کا ذہن متوجہ
ہی نہ ہو سکے۔

اصل بات یہ ہے کہ رفع کا لفظ صرف بلند کرنے اور اٹھانے کے معنی میں
مستعمل ہوتا ہے اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے نہ روح کی بلکہ وہ غیر ذی
روح میں بھی مستعمل ہوتا ہے عیسیٰ علیہ السّلام کے معاملہ میں جسم کا رفع اس لئے
[illegible] دیا گیا ہے کہ یہاں زیر بحث جسم ہی کا معاملہ تھا یہود اس کے قتل کے مدعی
تھے اور انصاریٰ اس کے رفع کے پس جب یہاں روح زیر بحث ہی نہ تھی تو رفع
سے روح کا رفع مراد کیسے ہو سکتا تھا۔ اس مقام کے علاوہ قرآن کریم میں کسی

جگہ اور کسی شخص کے متعلق یہ بحث نہیں ملتی کہ وہ قتل کیا گیا ہے یا اپنے جسم کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ اس لئے کسی اور جگہ خاص جسم کے رفع کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے پس عام انسانوں میں جن کے جسم مشاہدہ میں ہوتے ہیں جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو چونکہ وہاں ان کے جسم کے رفع کا احتمال ہی نہیں ہوتا اس لئے وہاں معنوی رفع یعنی درجات کی بلندی مراد ہوتی ہے۔ اور یہ صحیح ہے کیونکہ اس لفظ کا استعمال ہر قسم کی بلندی کے لئے ہوتا ہے۔ جسم کی ہو یا معنوی جیسا موقع اور محل ہوگا اس کے مطابق اس کے معنے مراد لئے جائیں گے یہی حال لفظ توفی کا ہے وہ بھی زندوں اور مردوں دونوں میں یکساں مستعمل ہے عیسٰی علیہ السّلام کے معاملہ میں لفظ توفی رفع۔ نزول اور اس کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ اس کے ساتھ یہاں قومی تاریخیں بھی موجود ہیں۔ پس یہ مسئلہ قومی تاریخ اور آیات واحادیث کی روشنی سے ثابت ہوا ہے یہ سمجھنا بڑی نافہمی ہے کہ یہ مسئلہ صرف لفظ رفع کی پیداوار ہے جیساکہ آیت ۱۰۰ میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے والدین کے جسمانی رفع کا معاملہ صرف لفظ رفع سے پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کے لئے دوسرے خارجی قرائن بھی تھے اور یہاں تو قرائن نہیں بلکہ دلائل موجود ہیں اور وہ بھی واضح سے واضح اور مستحکم سے مستحکم۔ خلاصہ یہ کہ جب ایک طرف لعنتی موت کا افسانہ بے بنیاد ثابت ہوتا،

اور دوسری طرف رفع کا استعمال بھی عزت کی موت یعنی لعنتی موت کی تردید کے لئے نہیں ملتا تو پھر آیت بالا کی یہ تفسیر کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔

عیسٰی علیہ السّلام کا مصلوب ہونا قرآن کریم سے اور اس کی تردید

اب ذرا اس پر بھی نظر ڈالتے چلئے کہ خاص عیسٰی علیہ السّلام کے حق میں ان کا سولی دیا جانا، ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھنا، ان کے منہ پر تھوکا جانا اور طرح طرح سے انکی توہین اور تذلیل کرنا کیا یہ تاریخ قرآن کریم کو مسلّم ہے؟

یہاں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کریم نے جب یہود کے ملعون ہونے کے اسباب کا تذکرہ کیا ہے تو خاص عیسٰی علیہ السّلام کے مسئلہ میں کس سبب کا ذکر کیا ہے۔ آیت وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام کے معاملہ میں صرف ان کا یہ کہنا کہ ہم نے ان کو قتل کر ڈالا ہے ان کے لعنت در لعنت کا سبب بن گیا تھا اب سوال یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ان کی جانب سے وہ تمام بدترین اور توہین و تذلیل کی حرکات ناشائستہ سرزد ہو چکی تھیں جو ابھی ذکر ہو چکیں تو ان تمام مکروہ افعال کا ذکر نہ کرنا اور صرف ایک دعوئی قتل کو نقل کرنا

کیا یہ معقول ہو سکتا ہے۔ عقل ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کر سکتی کہ اگر اس سلسلہ میں ان مکروہ افعال کا ان سے صدور ہوا تھا تو ان کے ان تمام مظالم اور جرائم پر پردہ ڈال دیا جاتا اور صرف ایک دعویٰ قتل کو ان کے اسباب لعنت میں ذکر کیا جاتا۔ اور اس سے کہیں بڑھ کر اسباب لعنت کے ذکر سے سکوت کر لیا جاتا ہمارے نزدیک دشمنوں اور مجرموں کے حق میں اس سے بڑھ کر نیا قضی ہی لِ ملنا ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ سورۂ مائدہ میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے تو ان میں ایک بڑا انعام یہ بھی شمار کیا ہے **واذ کففت بنی اسرائیل عنك** ۔ اور یہ انعام بھی قابل یاد ہے جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے دُور رکھا اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا تھا اور سب ناروا سلوک ان کے ساتھ کر لئے تھے تو کیا بنی اسرائیل کی اس دست درازی کے بعد بھی لغت کے لحاظ سے مذکورہ بالا جملہ استعمال کرنا صحیح ہے دوم پھر کیا یہ رسوائی اور تذلیل و توہین کا سلوک اس قابل ہے کہ ان کے عجیب و غریب معجزات اور نزول مائدہ جیسے انعامات کے پہلو بہ پہلو ایک انعام بنا کر اس کو ذکر کیا جاتا۔

سورۂ آل عمران میں یہ ارشاد ہے۔

ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ یہود نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے انکے مقابلہ میں خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنیوالوں میں سب سے بہتر و برتر ہے۔

آیت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ جب یہود بے بہبود نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے قتل کی تدبیریں کیں تو ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی اور یہ ظاہر ہے کہ جب قدرت ہی خود ضعیف انسان کی تدبیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو پھر کسی کی ضعیف یا قوی تدبیر کیا چل سکتی ہے یہ بات الگ ہے کہ جب قدرت تدریج و امہال کے قانون کے ماتحت کسی گرفت کا ارادہ ہی نہ فرمائے تو کچھ مدت کے لئے انسان اپنی سب تدبیروں میں کامیاب نظر آئے لیکن اگر قدرت الہیہ ان تدابیر کے مقابلہ کے لئے کھڑی ہو جائے تو کیا پھر اس رسوائی و ذلت کی کوئی مثال مل سکتی ہے جو یہاں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے معاملہ میں نافہموں نے اپنی جانب سے تراش لی ہے اور کیا اب دشمنوں کے مقابلہ میں قرآن کریم کا یہ دعوٰی کرنا کہ واللہ خیر الماکرین اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بڑھ کر تدبیر کرنیوالا ہے قابل مضحکہ نہیں ہے۔

مکر کے معنی عربی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں

یہ خوب واضح رہنا چاہئے کہ قرآن کریم نے یہود کے مقابلہ میں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ مکر ہے جس کے معنی لغت میں خفیہ تدبیر کے ہیں پس اس لفظ کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں کوئی تدبیر ایسی ہونی چاہئے جس کا دشمنوں کو بھی علم نہ ہو سکے اور نتیجہ کے لحاظ سے وہ اس درجہ ناکام بھی رہیں کہ پھر ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا خیر الماکرین ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے واقعہ میں بھی لفظ مکر کا استعمال ہوا ہے ہر دو مقامات پر تدبیر الٰہی اور اس کا موازنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان برتری کا اظہار

اس قسم کا جملہ قرآن کریم میں ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے متعلق بھی ملتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین (ادھر تو وہ خفیہ سازش کر رہے تھے اور ادھر خدا خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور خدا سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے)

یہاں بھی قریش کی سازش کا ذکر ہے پھر اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے خفیہ تدبیر فرمانے کا تذکرہ ہے اور آخر میں پھر وہی کلمہ دہرایا گیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں کہا گیا تھا یعنی واللہ خیر الماکرین۔

عجیب بات ہے کہ ہجرت کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے

نکلے تو یہاں بھی کفار محاصرہ کر چکے تھے اور یہاں بھی آپ حضرت علیؓ کو اپنی بجائے چھوڑ گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمانوں پر ہجرت کرنے لگے تو یہاں بھی دشمن گھیر ا ڈال چکے تھے اور یہاں بھی ایک شخص ان کی بجائے دشمنوں کے ہاتھوں میں موجود تھا قرآن کریم نے دونوں مقامات پر اپنی تدبیر اور کفار کی غلط فہمی کو اسی لفظ مکر سے ادا فرمایا ہے۔ ان دونوں ہجرتوں میں جب خدائی تدبیر کا موازنہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو تدبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ظاہر ہوئی وہ دشمنوں پر ایک بڑی کاری ضرب تھی۔ ان دونوں مقامات پر خدا تعالیٰ کے یہ دونوں رسول دشمنوں کے نرغے میں سے صاف نکل گئے اور کسی کا بال بیکا نہ ہو سکا مگر غور فرمائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دشمنوں کے علم میں اسی سرزمین پر صحیح وسالم موجود رہنا اور ہر معرکہ میں ان کو شکست دیتے رہنا آخر ۸ھ میں اپنے آبائی وطن کو فتح کر لینا جتنا قریش کے لئے سوہان روح ہو سکتا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر چلے جانا یہود پر اتنا شاق نہیں ہو سکتا۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ایک مقتول لاش بھی موجود تھی مگر وہاں اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہونے نہ ہونے میں بہت شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ مسئلہ زیر بحث آگیا تھا کہ مقتول وہی حضرت مسیح علیہ السلام ہیں یا کوئی دوسرا شخص۔ مگر یہاں حضرت علیؓ

سب کے جانے پہچانے شخص تھے۔ یہاں قریش کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی شبہ کے بغیر ان کے ہاتھوں سے نکل چکے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ ان سے ذرا فاصلہ پر ان کا سر کچلنے کے لئے موجود بھی ہیں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام باہیں ہمہ رأفت ورحمت جب دوبارہ اپنے وطن لوٹ کر تشریف لائیں گے تو یہاں ان کے دشمنوں کے حق میں قتل مقدر ہو گا حتیٰ کہ یہودی ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوٹ کر اپنے وطن مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کے دشمنوں کے حق میں یہ مقدر ہوا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور پھر وہی آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہو کر آپ پر اپنی جانیں قربان کریں ذرا اس پر بھی غور فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی فتح ونصرت کے لئے ایک بار آپ کی ہجرت اور ہجرت کے بعد پھر اسی مقام پر فاتحانہ واپسی مقدر ہوئی تو عیسیٰ علیہ السّلام کے معاملہ میں بھی اگر پہلے ان کی ہجرت پھر اپنے وطن اصلی کی طرف واپسی مقدر ہو تو اس میں تعجب کیا ہے یہاں اگر فرق ہے تو صرف دار الہجرت ہی کا تو ہے یعنی وہاں دار الہجرت آسمان مقرر ہوا اور یہاں مدینہ طیبہ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ دونوں مقامات برابر تھے ہاں اگر فرق تھا تو خود روح اللہ اور عبد اللہ کی جانب سے تھا روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی طبعی کشش آسمانوں کی طرف تھی آخر جو نفخہ

جبرئیل علیہ ہوئے وہ جاتے تو اور کہاں جاتے۔ عبداللہ کی طبعی کشش زمین کی جانب تھی اس لئے اگر وہ کسی خطۂ ارض کی طرف نہ جاتے تو اور کہاں جاتے۔ بیشک خدا تعالیٰ قادر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آسمانوں پر اُٹھا لیتا لیکن کیا یہ اس آخری رسول کی شان کے مناسب ہوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر آسمانوں پر تشریف لے گئے تو ان کے بعد دوسرا رسول اعظم دنیا کو نصیب ہو گیا لیکن اگر آپ تشریف لیجاتے تو امت کا نگہبان کون ہوتا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر دوبارہ تشریف لائینگے تو ان کو اس امت میں شامل ہونے کا دوسرا وہ شرف حاصل ہوگا جس کی اولوالعزم انبیاء علیہم السلام تمنائیں رکھتے تھے۔ لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لاتے تو آپ کو کونسا دوسرا شرف حاصل ہوتا پھر روح اللہ اگر آسمانوں پر گئے تو دشمنوں سے حفاظت کے لئے بلائے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمانوں پر بلائے گئے تو صرف تشریف و تکریم کے لئے بلائے گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر گئے تو چوتھے آسمان تک گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو ساتوں آسمان طے کر کے وہاں تک پہنچ گئے جہاں جاتے جبرئیل علیہ السلام کے بھی پر جلتے تھے۔ ان دونوں ہجرتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مقام پر امام رازی کے قلم سے کیا اچھا جملہ نکل گیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں جو شرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میسر ہوا وہ عروج تھا اور جس شرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوازے گئے اسکا نام معراج ہے میں کہتا ہوں جی ہاں وہ روح اللہ تھے اور یہ عبداللہ ہیں۔

اللھم صل وسلم وبارك علی عبدك ورسولك سیدنا محمد صاحب المعراج والبراق والقلم وعلی آلہ واصحابہ تسلیماً کثیراً کثیرا۔

گو ان دونوں ہجرتوں میں اللہ تعالیٰ کی شان خیر الماکرین دونوں جگہ عیاں تھی اور دونوں مقامات میں اس کا جو ظہور ہوا وہ کامل ہی تھا مگر کیا جو تدبیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جلوہ گر ہوئی وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مناسب تھی۔ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوب ہونا اور آخر کار کشمیر وغیرہ میں جا کر کہیں اپنی طبعی موت سے مرجانا تسلیم کرلیں تو اس کے لئے نہ تو قرآنی الفاظ میں کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی دنیا کی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے اور نہ اس میں خدائی تدبیر کا کچھ ظہور ہوتا ہے۔ اور نہ اس تقدیر پر یہود کے دعویٰ کی کوئی معقول تردید ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جب سولی کے ساتھ بلکہ موت کے مقدمات تسلیم کرئے جائیں اور گفتگو

صرف اتنی رہ جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو تم نے مارا یا کہیں گمنام مقام میں لے جاکر خود ہم نے مارا تو اب یہ گفتگو ایک عبث گفتگو ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ جو بات دشمن چاہتے تھے وہ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھوں سے خود پوری فرمادی۔ والعیاذ باللہ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے صلیب و رفع کی تحقیق قرآنی روشنی میں

اسی طرح صلیب کے تسلیم کر لینے کے بعد یہاں نصاریٰ کی بھی کوئی تردید نہیں نکلتی کیونکہ جب اصولی طور پر عیسیٰ علیہ السّلام کا سولی چڑھنا تسلیم کر لیا جائے اور رفع جسمانی کا قرآن کریم خود اعلان فرما دے تو اب ان کے ساتھ بھی جو اختلاف رہے گا وہ صرف نظریات ہی کا رہے گا اور صلیب پرستی کی یہ ایک بنیاد قائم ہو جائے گی اس لئے ضروری ہے کہ آیت کے اصل مفہوم پر غور کیا جائے اور جو مطلب کسی تاویل کے بغیر اس سے ظاہر ہوتا ہو اسکا اعتقاد رکھا جائے۔ پہلے ایک بار پوری آیت پڑھ لیجئے۔

وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ

اور دیکھئے انکو سزا میں مبتلا کیا انکے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح بن مریم کو قتل کر دیا ہے حالانکہ نہ انہوں نے قتل کیا اور نہ ہی انکو سولی پر چڑھایا لیکن انکو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ انکے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں انکے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی

لفی شک منه مالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه یقینا بل رفعه الله الیه وکان الله عزیزاً حکیما۔

…ن پر عمل کرنے کے اور انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

آیت بالا کے مطالعہ کے بعد جو بات پہلی بار سمجھ میں آجاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی تھے اور اس بارے میں وہ اپنے پورے جزم و یقین کا اظہار کرتے تھے لیکن نصاریٰ چونکہ باہم خود مختلف تھے اس لئے مختلف باتیں کہتے تھے ان ہر دو فریق کے مقابلہ میں قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ دونوں کے دونوں غلطی پر ہیں یہود کا دعویٰ قتل سرتاسر غلط ہے اس لئے اس کو دوبار رد کیا گیا ہے تاکہ جتنا زور انہوں نے اپنے قتل کرنے پر صرف کیا تھا اتنا ہی اس کے انکار پر صرف کیا جائے۔ رہ گئے نصاریٰ تو وہ قدر مشترک طور پر ان کے مصلوب ہونے کے آج تک قائل ہیں اس لئے ضروری تھا کہ گو وہ کسی بات کے مدعی نہ تھے لیکن ان کے اس غلط خیال کی تردید بھی کر دی جائے اس لئے یہود کے دعوئے قتل کے ساتھ ساتھ صلیب کی بھی نفی کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا گیا کہ ان کو خود کچھ علم نہیں ہے وہ صرف اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو قوم اپنے

(نزول عیسیٰ)

یقین کا دعویٰ رکھتی ہو صرف اس کی تردید کر دینا اس کیلئے کچھ تشفی بخش نہیں ہو سکتا
جب تک کہ اس کی غلط فہمی کے اسباب بھی بیان نہ کر دیے جائیں۔ اسی کو ولکن شبہ
لھم سے بیان کیا گیا ہے یعنی یہاں قدرت کی طرف سے کچھ ایسے حالات
پیدا کر دیئے گئے تھے جنکی رُو سے حقیقت حال انپر مشتبہ ہو گئی تھی ایک طرف
چونکہ سبت کا دن آ رہا تھا اس لئے اس ارادہ بد کی تکمیل میں ان کو خود عجلت تھی
دوسری طرف اس قسم کے ہنگاموں میں جو ایک طبعی وحشت ہوا کرتی ہے وہ بھی
ان پر سوار تھی اس لئے اپنی دانست میں گو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام
ہی کے قتل کا قصد کیا تھا مگر ان حالات کی وجہ سے وہ اس ارادہ میں ناکام رہے
اور ان کی توجہ اس طرف قائم نہ رہ سکی کہ وہ کس کو قتل کر رہے ہیں اور اس کی کھلی
شہادت یہود و نصاریٰ کا باہم اختلاف ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
صورتِ حالات ضرور کچھ ایسی پیچیدہ بن گئی تھی کہ حس و مشاہدہ کا یہ صاف واقعہ
بھی مبہم ہو کر رہ گیا تھا اور پیچیدگی کی وجہ سے قرآن کریم نے واقعہ کے انکشاف
کی طرف توجہ فرمائی ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے قبل دوسرے انبیاء
علیہم السّلام کے متعلق بھی یہود اسی جرم کے ارتکاب کا دعویٰ کرتے تھے لیکن چونکہ
دیگر انبیاء علیہم السّلام کے معاملہ میں وہ اپنے دعویٰ میں صادق تھے اسلئے قرآن کریم

نے ان کی کوئی تردید کی ہے اور نہ ان کے معاملہ میں کسی شبہ واشتباہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں پڑنا قرآن کریم نے پسند نہیں فرمایا اور نہ یہ احکم الحاکمین کی شان کے مناسب تھا اور غالباً لفظ مکراللہ کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ خفیہ تدبیر کو کچھ خفیہ ہی رہنے دیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر درحقیقت مقتول کی لاش ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے بلکہ کوئی دوسرا ان کا شبیہ شخص تھا جو عجلت میں غلطی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ تو یہ بتانا چاہئے کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام جو یقیناً ان کی زیر حراست آ چکے تھے آخر وہ کدھر نکل گئے اگر اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا تو ماننا پڑتا ہے کہ پھر مقتول کی جو لاش موجود تھی وہ عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے اس لئے قرآن کریم نے اپنے فیصلہ پر قتل کی نفی کے بعد یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا تھا اس لئے زمین پر ان کی تلاش کرنا عبث ہے۔ لیکن ایک ضعیف انسان چونکہ نہ اس قدرت کا تصور کر سکتا ہے اور نہ اس عظیم حکمت کو پا سکتا ہے اس لئے یہاں خاص طور پر اپنی ایسی دو صفتوں کا تذکرہ فرما کر بحث کو ختم کر دیا ہے جن کے اقرار کے بعد کوئی استبعاد باقی نہیں رہتا یعنی وکان اللہ عزیزاً حکیماً یعنی اللہ بڑی توانائی اور بڑی حکمت والی ہے انسان کے سامنے یہ سب باتیں ناممکن ہیں اس

واضح فیصلہ سے جس طرح یہود کی کھلی ہوئی تردید ہو گئی اسی طرح نصاریٰ کے مذہب کی تمام تعمیر بنیاد سے منہدم ہو گئی ہے کیونکہ جب صلیب کا سارا فسانہ ہی بے سر و پا ثابت ہوا تو اب کفارہ کا اصولی عقیدہ بھی خود بخود باطل ہو گیا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ اسی حد پر ختم ہو چکا تھا اور مستقبل زمانہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق باقی نہ رہا تھا تو آئندہ آیت میں اس کی دوسری تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لیکن چونکہ یہاں ایک اور مشکل تر سوال سامنے آگیا تھا اور وہ یہ کہ اگر وہ آسمانوں پر اُٹھائے گئے ہیں تو پھر کیا وہ آسمانوں ہی پر وفات پائیں گے اس لئے اس کی بھی وضاحت کر دی گئی اور پوری قوت کے ساتھ اس کا اعلان کر دیا گیا کہ ابھی ان کو طبعی موت نہیں آئی بلکہ موت سے قبل اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا مقدر ہو چکا ہے اس لئے یقیناً وہ دوبارہ تشریف لائیں گے اور اب خدا تعالیٰ کی وہ خفیہ تدبیر بھی عالم آشکارا ہو جائے گی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنے جسم کے ساتھ تشریف لائیں گے تو یقیناً جسم کے ساتھ ہی اُٹھائے گئے تھے۔

وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ — اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر انکی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ (عیسیٰ)

عَلَیۡہِمۡ شَہِیۡدًا۔ علیہ السلام) ہوں گے ان پر گواہ۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو ہریرۃ رضؓ جب حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کی حدیث بیان فرماتے تو یہ بھی فرماتے کہ یہ پیشگوئی صرف حدیثی نہیں قرآنی ہے اور یہی آیاتِ بالا پڑھکر سنا دیتے اب یہ مسئلہ بالکل سمجھ میں آگیا ہوگا کہ حدیثوں میں نزول عیسٰی السّلام کے بار بار بیان فرمانے کی اہمیت کیوں محسوس کی گئی ہے یہ ظاہر ہے کہ رفع جسمانی چونکہ عام انسانوں کی سنت نہیں تھا اس لئے اس کی تفہیم کے لئے اس حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی بڑی اہمیت تھی کہ عیسٰی علیہ السّلام کی ابھی وفات نہیں ہوئی۔ اور ان کو ابھی آسمانوں سے اترنا ہے اور بہت سی خدمات مفوضہ ادا کرنی ہیں اہل کتاب کو ان پر ایمان لانا ہے اور دجال جیسے ایمان کے غارت گر کو قتل کرنا ہے۔ اور بالآخر خدا تعالےٰ کی زمین کو شر فساد سے پاک کرکے عام انسانوں کی سنّت کے مطابق وفات پانا ہے۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کے پہلو میں دفن ہونا ہے۔ یہ ہے قرآنی بیان اور قرآنی بے لاگ فیصلہ۔ اب یہاں انکی موت کا دعویٰ کرنا ٹھیک یہودیوں کی اتباع ہے اور ان کو مصلوب مان لینا یہ نصاریٰ کی کھلی ہوئی موافقت ہے کیونکہ اگر ہم عیسٰی علیہ السّلام کا مصلوب ہونا تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر کسی غیر معلوم مقام پر جا کر ان کی موت مان لیتے ہیں تو اس کا مآل

صرف یہ ہوگا کہ یہود و نصاریٰ کی وہ غلط باتیں جن کی قرآن کریم نے پوری تردید فرمائی تھی ہم نے دونوں کو مان لیا ہے اور اس کے بعد ان کے ساتھ ہمارا اختلاف صرف نظریات کا اختلاف رہ جاتا ہے یہود کے ساتھ تو اس لئے کہ ان کی موت کے وہ بھی قائل تھے فرق صرف یہ رہے گا کہ یہ موت لعنتی تھی یا عزت کی اور نصاریٰ کے ساتھ اس لئے کہ جب وہ سولی دیدئے گئے تو اب اس کی حقیقت امت کی تطہیر اور کفارہ تھی یا کچھ اور۔ ظاہر ہے کہ ان امور کے اصولاً تسلیم کرلینے کے بعد یہ نظریاتی اختلافات بالکل بے نتیجہ ہیں۔ ہماری مذکورہ بالا تفسیر کی بناء پر دونوں قوموں کے عقائد کی بیخ و بنیاد ہی اکھڑ جاتی ہے۔ اور قرآن کریم پر اپنی جانب سے کسی حاشیہ آرائی کی کوئی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے کے بعد جملہ اہل اسلام کے نزدیک بھی وفات پائیں گے زیر اختلاف ان کا نظریہ وفات ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اہل اسلام جہاں ان کے رفع کے قائل ہیں اسی طرح وہ نزول کے بعد ان کی موت کے بھی قائل ہیں اس بارے میں ہمارے علم میں کسی متنفس کا بھی اختلاف نہیں۔ یوں قرآن کی دلالت بلکہ ان کی زندگی کا ہر گوشہ ان کی تردید الوہیت پر برہان قاطع ہے

لیکن صرف ان کی موت کا عقیدہ مستقل اس کی ایک ایسی واضح دلیل ہے جس کے بعد ان کی الوہیت کی تردید کے لئے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی لہٰذا ان کی ولادت اور موت تسلیم کرنے کے بعد اگر ایک ہزار بار بھی ان کے رفع الی السماء کا اقرار کرلیا جائے تو اس میں عیسائیوں کے مسئلہ الوہیت کی کوئی تائید نہیں ہوتی اس لئے اگر بالفرض یہاں ابن عباسؓ یا کسی اور شخص سے ان کی موت منقول ہوتی ہے تو اس کو اجماع امت کے خلاف سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی تحقیق

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ابن عباسؓ سے انی متوفیک کی تفسیر انی ممیتک مروی ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہی ثابت ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی موت آنی ہے مگر اس کا انکار کس کو ہے زیر بحث تو یہ ہے کہ وہ موت ان کو آچکی اور کیا وہ فی الحال مردوں میں شامل ہیں اور اب دوبارہ نہیں آئیں گے دعوے سے کہا جاسکتا ہے کہ نہ یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور نہ امت مسلمہ میں کسی اور معتمد عالم سے بلکہ ابن عباسؓ سے باسناد قوی یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے اور نزول کے بعد وفات پائیں گے اور ٹھیک یہی تمام امت کا عقیدہ ہے۔

یہاں بعض بے علموں کو ایک مغالطہ بھی لگ گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا تفسیر چونکہ امام بخاری کی کتاب میں موجود

امام بخاری کی کتاب التفسیر میں حل لغات کا حصہ خود ان کا تصنیف کردہ نہیں بلکہ امام ابو عبیدہ کا ترتیب دادہ ہے۔

ہے لہذا ثابت ہوا کہ امام بخاری کا مختار بھی یہی ہے عجیب بات ہے کہ جب امام بخاری ہی کی کتاب میں عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کی حدیث بھی موجود ہے تو پھر کس دلیل سے یہ سمجھ لیا گیا کہ اس موت سے گذشتہ موت مراد ہے بلکہ جب خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی یہ ثابت ہے کہ یہ موت نزول کے بعد والی موت ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک بھی اس موت سے وہی موت مراد ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ان ہی کی کتاب میں عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کا اقرار بھی موجود ہے۔

پھر ان مسکینوں کو اتنا علم بھی نہیں کہ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں جو لغات کی تفسیر اور تراکیب نحویہ نقل فرمائی ہیں یہ خود ان کی جانب سے نہیں ہیں بلکہ ان کی جانب سے صرف وہی حصہ ہے جو انہوں نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری کے پاس ابو عبیدہ کی کتاب التفسیر موجود تھی امام موصوف نے اس پوری کتاب التفسیر کو کسی تنقید و انتخاب کے بغیر

بجنسہ اٹھاکر اپنی کتاب میں نقل کردیا ہے لہذا جتنے اقوال مرجوحہ اصل کتاب میں موجود تھے وہ سب کے سب یہاں نقل ہو گئے ہیں۔ لہذا یہ سمجھنا بالکل بے اصل ہے کہ امام بخاری نے خاص طور پر ابن عباسؓ کی اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابوعبیدہ کی کتاب التفسیر میں چونکہ ابن عباسؓ کا یہ قول مروی تھا اور جب امام بخاری نے ان کی پوری کتاب التفسیر ہی کو اپنی کتاب میں کسی انتخاب کے بغیر نقل کر دیا تھا تو یہ جزء بھی چونکہ ابوعبیدہ کی کتاب میں موجود تھا اس لئے وہ بھی یہاں نقل ہو گیا ہے اہل علم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کتاب التفسیر میں بہت سے مقامات پر حل لغات میں تسامح بھی ہوا ہے اقوال مرجوحہ بھی نقل ہو گئے ہیں اور ان کی ترتیب میں بھی اچھا خاصہ اختلال واقع ہو گیا ہے لیکن امام بخاری خود ان جملہ نقائص سے بری ہیں اس کی ذمہ داری اگر عائد ہوتی ہے تو ابوعبیدہ پر عائد ہوتی ہے امام بخاری کی کتاب کی علو صحت کے متعلق جو دعویٰ ہے وہ ان کی احادیث مرفوعہ کے متعلق ہے۔ جو اسناد کے ساتھ امام نے از خود روایت فرمائی ہیں نہ کہ ان اقوال کے متعلق جو اسناد کے بغیر کسی دوسرے کی جانب سے کتاب میں نقل ہیں لہذا اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ ان کے نزدیک مذکورہ بالا تفسیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی موت سے وہ موت

مراد ہے جو آخر زمانہ میں تشریف لانے کے بعد ہوگی اور اس موت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح ابن حزم کی طرف بھی موت کی نسبت کی گئی ہے اگرچہ کسی شاذ فرد کے اختلاف سے جمہور امت کی رائے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے وہ بھی ابن حزم جیسے شخص کے اختلاف سے جس کے تفردات امت میں ضرب المثل ہیں لیکن وہ بھی متعدد مقامات پر اس کی تصریح کر چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری دور میں تشریف لائیں گے لہٰذا زیر اختلاف مسئلہ پر ان شاذ نقول کا بھی کوئی اثر نہیں۔ چنانچہ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی ص ۳۹۱ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو امت کا عقیدہ شمار کیا ہے دیکھو ص ۲۴۹ کتاب الفصل میں بھی اس کی تصریح کی ہے اس کے علاوہ اور متعدد مقامات میں بھی اسی عقیدہ کو امت کا عقیدہ لکھا ہے۔

وقد صح عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ	جس جمہور امت نے آپکی نبوت اور اسکی علامات
علیہ وسلم بنقل الکواف التی	اور قرآن شریف کو نقل کیا ہے اسی امت نے صحیح طریقوں
نقلت نبوتہ واعلامہ وکتابہ	سے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل
انہ اخبرہ انہ لا نبی بعدہ الا	کیا ہے کہ آپ نے خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی
ما جاءت الاخبار الصحاح من	نہ آئے گا سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کے

نزول عیسےٰ علیہ السّلام الذی	نزول کی خبر صحیح حدیثوں سے ثابت ہے
بعث الی بنی اسرائیل وادعی	یہ وہی ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث
الیھود قتلہ وصلبہ فوجبت	ہوئے تھے اور جن کے قتل وصلب کا یہود
الاقرار بھذہ الجملۃ وصح ان	نے دعویٰ کیا تھا لہٰذا ان باتوں کا اقرار
وجود النبوۃ بعدہ علیہ السّلام	کرنا ہم پر لازم ہے اور یہ بطریق صحیح ثابت
لایکون البتہ ص‍ ۷۷ الفصل وص‍ ۲۳	ہے کہ نبوت کا وجود آپ کے بعد ہرگز
وص‍ ۵۵ وص‍ ۳ وص‍ ۷ کتاب مذکور	نہیں ہوگا۔

قرآن کریم میں شرک کا عقائد کی تردید کا جتنا اہتمام کیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام خدا کے بیٹے تھے لیکن جب اس نسبت کی نامعقولیت ان کے سامنے ظاہر کی جاتی ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ولدیت اور ابنیت سے ان کی مراد حقیقی معنیٰ نہیں ہیں بلکہ اتحاد کی وہ خاص نسبت ہے جو مابین خالق اور عیسٰی علیہ السّلام موجود ہے اور اسی کو مجازاً اس لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ لیکن اس لفظ کے استعمال سے چونکہ عیسائیت کی لفظی تائید ہوتی تھی اس لئے قرآن کریم نے یہاں مجاز واستعارہ کی بھی اجازت نہیں دی بلکہ اس عنوان ہی کو خواہ وہ کسی معنے سے ہو اپنے سخت غیظ وغضب کا باعث قرار دیا ہے

ارشاد ہے۔

تکاد السّمٰوات یتفطّرن منه	ابھی اس فترا سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین
وتنشق الارض وتخر الجبال هدًّا	ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں اس کے
ان دعوا للرّحمٰن ولدًا۔	کہ پکارتے ہیں رحمٰن کے نام پر اولاد۔

پس اگر قرآن کریم لفظ ابن اور ولد کا مجازی استعمال بھی حرام قرار دیتا ہے کیوں کہ اس میں عیسائیت کی تقویت اور اس کی ترویج ہوتی ہے تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے رفع یعنی آسمان پر اُٹھائے جانے کا عقیدہ بھی صرف عیسائیوں کا عقیدہ ہوتا اور اُس میں مشرکانہ عقیدہ کی ذرا بھی غلط تائید ہوتی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ ٹھیک اسی لفظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معاملہ میں خود استعمال فرماتا جو عیسائی استعمال کرتے تھے یہ کیسی عجیب در عجیب منطق ہے کہ یہود نے جب انا قتلنا کہا تو ان کی تردید میں قرآن کریم نے دو بار " وما قتلوہ " فرمایا مگر جب عیسائیوں نے " رُفِعَ " کہا تو قرآن کریم نے ایک بار بھی " وَمَا رُفِعَ " نہیں فرمایا بلکہ " رفعه الله الیه " میں لفظ " الیه " کا اور اضافہ فرما کر رفع کے عقیدہ کو اور مضبوط بنا دیا۔ کیا اس سے یہی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے رفع الی السّماء کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ بالکل درست تھا البتہ ان کے مصلوب ہونے کا خیال چونکہ بالکل بے

اصل تھا اس لئے جس طرح کہ یہود کی تردید میں وما قتلوہ فرمایا گیا تھا اسی طرح عیسائیوں کی تردید میں " وَمَا صَلَبُوہُ " کا لفظ فرمادیا گیا اور اسطرح اہل کتاب کی ہر دو جماعتوں کی تردید علیحدہ علیحدہ دو لفظوں سے صراحۃً کردی گئی اور اسی کے ساتھ عیسائیوں کے بنیادی عقیدہ کا بطلان بھی واضح ہوگیا کیونکہ ان کے مذہب میں کفارہ کا عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور کفارہ کا عقیدہ تمام تر صلیب پر مبنی ہے لہٰذا جب قرآن کریم نے صراحۃً " وَمَا صلبوہ " فرماکر صلیب کی صاف تردید فرمادی تو پھر اس پر مبنی بے اصل تعمیر قائم کی گئی وہ خود بخود سب منہدم ہوگئی۔

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی مذمات میں صلیب شکنی کا نکتہ

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صلیب چونکہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام ہی کے نام سے پوجی گئی تھی اس لئے ضروری ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام ہی دوبارہ تشریف لاکر خود اس کو توڑنے کا حکم دیں تاکہ جن کے نام پر یہ شرک ایجاد ہوا تھا ان ہی کے حکم سے اس کا استیصال بھی ہوجیسا کہ عرب نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے سر بت پرستی کی جھوٹی تہمت لگائی تو خود آپ کے نسب سے عظیم اور جلیل القدر فرزند یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر اس کی تردید فرمائی اور فتح مکہ میں اپنے دست مبارک سے ان تمام بتوں

کی تصاویر محو کر دیں جو ملت ابراہیمی کے نام پر خانہ کعبہ کے اندر بنائی گئی تھیں یہ خیال کتنا احمقانہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام اگر صلیب توڑ دیں گے تو عیسائی اور بہت سی صلیبیں بنالیں گے۔ اگر یہی اعتراض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بت شکنی پر کیا جائے تو کیا یہ قابل مضحکہ نہ ہوگا اصل بات یہ ہے کہ فاتح کی بت شکنی اور صلیب شکنی کا اندازہ غلامانہ ذہنیت کا محکوم کر ہی نہیں سکتا جو صلیب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے دست مبارک سے توڑی جائے گی وہ پھر کبھی بنائی نہیں جا سکتی جیسا کہ بت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے توڑے گئے وہ جزیرۃ عرب میں آج تیرہ سو سال کے بعد بھی دوبارہ معبود نہیں بن سکے۔

قرآن کریم کی شان اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے کہ وہ دشمنان اسلام کے خوف سے حقائق کے بیان کرنے میں ادنیٰ پس و پیش بھی اختیار کرے

قرآن کریم کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اپنے سیاق تردید میں صرف دشمنوں کے خوف سے کسی حقیقت پر پانی پھیر دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معاملہ میں اگر "رفع" کے لفظ سے ان کی الوہیت کے بارے میں کوئی بے سبب اشتباہ پیدا ہو سکتا تھا تو اس سے کئی درجہ زیادہ اشتباہ لفظ "روح اللہ" اور "کلمۃ اللہ" سے پیدا ہوتا تھا چنانچہ آج تک عیسائی ان ہی الفاظ کو لے کر اہل اسلام کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں اسی طرح ان کے معجزات کا حال بھی ہے مگر کیا ایک ایسے بشر پر جس میں جملہ

بشری خواص کھلے ہوئے نظر آرہے ہوں بے دلیل الوہیت کی تہمت رکھ دینے والوں
کی قرآن کریم نے کوئی رعایت کی ہے کیا اس نے "روح اللہ" اور کلمۃ اللہ کا لقب
حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو خود ہی نہیں دیا یا بے عقلوں کے خوف سے اس نے
احیاء موتی کا معجزہ عطا کرنے میں کوئی پس وپیش کیا ہے اگر نامعقول جماعت نے
دلائل عبدیت ہی کو برعکس دلائل ربوبیت بنا ڈالا ہو تو اس میں سرتاسر جرم ان
ہی کا ہے لہذا یہاں قرآن کریم پر یہ زور ڈالنا کہ اس نے "رفعہ اللہ الیہ" کا لفظ کیوں
استعمال فرمایا ہے ایسا ہی ہے جیسا یہ کہنا کہ اس نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ کا لفظ
کیوں استعمال فرمایا۔

خوب یاد رکھو اگر ہم اپنی مزعوم خیر خواہی میں قرآن کریم کے صریح الفاظ کی
تاویل کر دیں گے تو اس کا نتیجہ قرآن کریم کے الفاظ کی تحریف نہیں ہو گا بلکہ بہت
سے حقائق کا انکار بھی ہو گا۔ اگر رب العزۃ کے ان کے بن باپ پیدا فرمانے
میں نامعقولوں کی رعایت نہ کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے تو ان کے زندہ آسمان
پر اٹھانے میں نامعقولوں کی رعایت کے مطالبہ کا حق کس کو ہے قدرت و حکمت
والا ہمیشہ اپنی قدرت و حکمت کے مظاہر دکھاتا رہے گا۔ فمن شاء
فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔

شبہات اور وساوس کا اثر عقائد کی تخریب ہے کسی صحیح حقیقت کی تعمیر نہیں پس صرف شبہات سے عقائد کی ترمیم کرنا غلط ہے خود ان کا جواب دینا چاہیئے

یہ بات قاعدہ کلیہ کی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ دین کا کوئی مسئلہ جب اپنے دلائل کے ساتھ روشنی میں آجائے تو اس پر بے تامل جزم و یقین کر لینا چاہیئے۔ اب اگر اسمیں کچھ شبہات اور اعتراضات دل میں گذرتے ہوں تو عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ ان شبہات ہی کا جواب تلاش کرنا چاہیئے اور ان کو حل کر لینا چاہیئے نہ یہ کہ اس ثابت شدہ حقیقت ہی کا انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ شبہات زیادہ سے زیادہ دلائل کی روشنی مدھم تو کر سکتے ہیں مگر کوئی دوسری روشنی پیدا نہیں کر سکتے اس لئے جب کبھی آپ اپنا رخ خود ان شبہات ہی کی طرف پھیر دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ اور تاریکی در تاریکی میں جا گرے ہیں مثلاً اگر کسی شبہ کی بنیاد پر ختم نبوۃ کا اجماعی عقیدہ بدل دیا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جتنے اشکالات اس عقیدہ میں پیدا ہو سکتے تھے اس سے کہیں بڑھ کر شبہات دوسری صورت میں پیدا ہونے لگے درحقیقت یہ شیطان کا ایک بڑا علمی فریب ہے کہ جب وہ کسی گمراہی کی دعوت دیتا ہے تو پہلے ایک حق بات میں شبہات ڈالنا شروع کرتا ہے پھر رفتہ رفتہ ان شبہات کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقت کی صورت پہنا دیتا ہے پھر اس کے دلائل کی تلاش لگاتا ہے اور اس تمام تدریجی سلسلہ میں ایک بار بھی انسان کا ذہن اصل عقیدہ کے دلائل کی طرف متوجہ

نہیں ہونے دیتا حتیٰ کہ وہ عقیدہ جو پہلے ان شبہات کی وجہ سے مجروح ہوا اب ان وہی دلائل سے باطل نظر آنے لگتا ہے اور ان دلائل پر دماغ میں کسی ادنیٰ شبہ کا گذر نہیں ہونے دیتا۔ اس کے بعد پھر انسان کو ایسا دلیر بنا دیتا ہے کہ اس کے نوساختہ عقیدہ کے خلاف انسان واضح سے واضح دلائل کی تاویل بلکہ تحریف میں ذرا نہیں شرماتا اور اسطرح وہ انسان کو دین سے منحرف کر دیتا ہے اور اس کے ایمان بالغیب کی ساری دنیا برباد کر ڈالتا ہے اسی کی مثال حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کا مسئلہ ہے یہاں بھی صرف شبہات پیدا کرکے پہلے وہ اس یقین کو متزلزل کرنے کی سعی کرتا ہے اور جب اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر انسان کو بیسوں حدیثوں کی تاویل بلکہ انکار پر آمادہ کر دیتا ہے مثلاً یہ شبہ پیدا کرتا ہے کہ دجال کو قتل کرنے کے لئے خاص حضرت عیسٰی علیہ السّلام ہی کے تشریف لانے کی ضرورت کیا پڑی ہے پھر اتنے دن ان کا زندہ رہنا کیوں تسلیم کیا جائے اور اس کے لئے جتنے مقدمات ہو سکتے ہیں ان کو خوب مدلل کرتا چلا جاتا ہے لیکن ایک مومن ان شبہات کی بنا پر قرآن وحدیث کی تاویل کرنے کی بجائے خود ان شبہات ہی کے جوابات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور صرف وساوس اور اوہام سے اپنے قیمتی ایمان کو زخمی نہیں کرتا۔ اگر یہاں کتب سابقہ اور اہل کتاب کی تاریخ پر ذرا نظر کی

جائے تو معلوم ہو گا کہ کتب سابقہ میں دو مسیح کی آمد کی پیشگوئی کی گئی تھی ایک مسیح ہدایت کی اور دوسرے مسیح ضلالت کی چونکہ یہود نے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت کا مصداق قرار دیدیا تھا اور مسیح ضلالت کو اس کے برعکس مسیح ہدایت ٹھرائیں گے اسلئے کیا یہ مناسب نہ تھا کہ مسیح ضلالت کے ظہور کے وقت خود مسیح ہدایت ہی تشریف لاکر اس کے مقابلہ پر یہ ثابت کردیں کہ مسیح ہدایت کون ہے اور مسیح ضلالت کون تاکہ ایک طرف جو پہلے مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت ٹھرانے والے تھے وہ جھوٹے ثابت ہوں اور دوسری طرف مسیح ضلالت کی اتباع کرنے والے بھی نامراد ہو جائیں اور اس طرح جو مغالطے پہلے لگ چکے تھے اب وہ خود ان ہی کی زبان سے دور ہو جائیں صلیب ان کے نام سے پوجی گئی تھی وہی آکر اس کو توڑیں اور سور بھی انہیں کے نام سے حلال کیا گیا تھا اب وہی آکر اس کے قتل کا حکم دیں اور اس طرح قرب قیامت میں یہود و نصاریٰ پر خدا کی حجت پوری ہو اور اتحاد ملل کے سلسلہ میں جتنی رکاوٹیں ہوسکتی تھیں وہ سب ایک ایک کرکے اٹھ جائیں اور آخر میں پھر دین اسی طرح ایک ہی باقی رہ جائے جیسا کہ آغاز عالم میں ایک ہی دین تھا۔ وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا۔

نیز چونکہ دجال آخر میں مدعی الوہیت ہوگا اور احیاء موتی کا مدعی ہوگا

اس لئے کیا یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے قتل کے لئے ایک ایسا ہی رسول آتا جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی ہوتا کہ ایک طرف تو اس کے قتل سے جھوٹے مدعی الوہیت کا جھوٹ ثابت ہو جائے دوسری طرف اس قوم کا جھوٹ بھی ثابت ہو جائے جنہوں نے خدا کے مقدس رسول پر دعویٰ الوہیت کی بے بنیاد تہمت لگائی تھی اور روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ جو مدعی الوہیت کا قاتل ہو وہ خود مدعی الوہیت کیسے ہو سکتا ہے ان امور کے علاوہ جب یہود کے دعوے کو دیکھا جاتا ہے تو وہ دیگر انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ عیسیٰ علیہ السّلام کے بھی قتل کا دعویٰ رکھتے تھے مگر قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ قتل نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اُٹھائے گئے اور اس میں خدا تعالیٰ تو انا و حکیم کی بڑی حکمت مضمر تھی کیا اس کا ثبوت اس سے بڑھکر کچھ اور ہو سکتا تھا کہ جس کو مقتول ٹھہرایا گیا تھا وہی آگر پہلے خود ان کے سرغنہ کو قتل کرے یعنی دجال کو پھر ان کے قتل کا حکم دے اور گویا اس طرح خود ایک نبی نازل ہو کر پہلے اپنی قوم انبیاء علیہم السّلام کے قاتلیں سے ان کا قصاص لے اور دوسری طرف اپنے متعلق دعویٰ قتل کا مزہ بھی چکھا دے۔

پھر جب ختم نبوت پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ضرورت کے وقت اُمت میں کسی نبی کی پیدائش کی بجائے

کوئی گذشتہ نبی آتے۔ کیونکہ دجال اکبر کے آمد کی پیشگوئی نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السّلام کرتے چلے آئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی بڑی گمراہی دنیا کی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی ظاہر نہیں ہوئی اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ دجال ایک مرکزی طاقت ہے اور ایک مرکزی طاقت کے مقابلہ کے لئے ضرور کوئی مرکزی طاقت ہی آنی مناسب ہے۔ اب اگر اس کے مقابلہ میں کسی اُمتی کو کھڑا کر دیا جاتا تو وہ اس کا صحیح مقابل ہی نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں بھی کشتی میں پہلوانوں کا جوڑ دیکھا جاتا ہے اور اسی طرح حکومتوں کے مقابلے کے وقت بھی اُن کی طاقتوں کا توازن ضروری ہوتا ہے جس کو آج کل (Balance of Power) کہا جاتا ہے غالباً یہی وجہ تھی کہ ابن صیاد کے متعلق جب حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ حکم دیجئے تو میں اسکی گردن اُڑا دوں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "ان یکن ھو فلن تسلط علیہ" اگر یہ وہی دجال اکبر ہے تو تم اس کے قتل پر مسلط نہیں ہو سکتے پس جب اُمت میں حضرت عمرؓ جیسا بھی اس کو قتل نہ کر سکے تو اب دوسرا کون اسکا قاتل ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ٹھہرا کہ اسکا قاتل کوئی نبی ہو پس جب نبی کی ضرورت ہے وقت بھی اس امت میں سے کسی کو نبی نہیں بنایا گیا۔ بلکہ انہیں گذشتہ انبیاء علیہم السّلام

ہی میں سے ایک نبی کو لا کر کھڑا کیا گیا تو فرمایئے کہ ختم نبوت کا مسئلہ اب کتنا واضح ہو گیا گویا آجتک ختم نبوت کا ثبوت صرف علمی تھا اور اس وقت تاریخ اور مشاہدہ سے بھی اس کا ثبوت ہو گیا کیونکہ جب ضرورت کے وقت پھر انبیاء سابقین ہی میں کا ایک رسول آیا تو یہ اس کا بدیہی ثبوت ہے کہ درحقیقت اب رسولوں میں سے کوئی فرد بھی باقی نہیں رہا تھا اس لئے یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے آخری رسول تھے لہذا اب یہ شبہ نہیں رہا کہ جب آپ خاتم النبیین ہیں تو آپ کے بعد عیسٰی علیہ السّلام کیسے آئیں گے بلکہ انکا نزول ہی ختم نبوت کا سب سے بڑا ثبوت ہو گا اگر وہ دوبارہ تشریف نہ لائیں تو مشاہدہ میں یہ کیسے ثابت ہوتا کہ سب رسول آچکے ہیں اور آپ ہی سب سے آخری رسول ہیں۔

جلد اوّل میں ختم نبوت کی پہلی حدیث میں ہم یہ بھی تفصیل لکھ چکے ہیں کہ حسب تصریح قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جملہ انبیاء علیہم السّلام سے ایمان اور بوقت ضرورت نصرت کا عہد بھی لیا جا چکا ہے اس لئے یوں مقدر ہوا کہ عیسٰی علیہ السّلام تشریف لا کر اپنی طرف سے ایماناً اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے وکالۃً اس عہد کو پورا فرمائیں گیا ان چند وجوہات سے جو فوری طور پر زیر قلم آگئے ہیں گذشتہ شبہات کا جواب نہیں ہو جاتا۔

کتاب اللہ میں اور حدیثوں میں دیگر موجودہ کتب سماویہ کے مقابلہ میں مجازات اور استعارہ کا استعمال بہت کم ہے اور یہ اسلام کا طغریٰ امتیاز بھی ہے

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہم کو یہی ثابت ہوا ہے کہ دیگر کتب سماویہ کی نسبت ہماری شریعت میں استعارات و مجازات کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ کتب سابقہ کی موجودہ صورت پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تاہم ہمارے موازنہ کے لئے ان کے موجودہ نسخوں کے علاوہ ہمارے سامنے کوئی اور سامان بھی نہیں ہے۔ جب ہم حدیث و قرآن کریم کی پیشگوئیوں اور اس کے دیگر بیانات کا کتب سابقہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو آفتاب درخشاں کی طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ ہماری شریعت نے اس بارے میں استعارات و مجازات کا دائرہ بجز اُن مجازات کے جو حقیقت سے زیادہ متعارف ہوں بہت تنگ رکھا ہے اور عقائد کے باب سے تو اس کا کوئی تعلق ہی نہیں رکھا۔ اس کے برخلاف موجودہ انجیل کا تو حال یہ ہے کہ اس میں الوہیت و رسالت کے بنیادی مسائل بھی مجازات و استعارہ کے پیرایہ میں ادا کئے گئے ہیں حتیٰ کہ منصف عیسائی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کے مذہب میں توحید کا مسئلہ بھی تقدیر کے مسئلہ کی طرح مذہب کا ایک راز اور ناقابل فہم مسئلہ ہے اس کے برعکس قرآن کریم کا بیان ہے۔ یہاں عقائد و احکام کا تو ذکر ہی کیا ہے پیشگوئیوں کا عام باب بھی اسطرح کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی صحیح فہم والے

شخص کے لئے ان میں کوئی تردد نہیں رہتا۔ فارس و روم کی جنگ میں فتح کی پیشگوئی، فتح مکہ کی پیشگوئی، اعضاء انسانی کا کلام کرنا، دجال کی پیدائش، اس کا اور اس کے والدین کا نقشہ، سر کے بل انسانوں کا محشر میں چلنا، برہنہ قبور سے نکلنا اور مردوں اور عورتوں کا ایک میدان میں اسی طرح جمع ہونا، غرض حشر و نشر اور جنت و دوزخ کی وہ تفصیلات جو مادی عقلوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کہیں بعید تر ہیں ان سب کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ہم پر بھی زور دیا گیا ہے کہ وہ سب کی سب حقیقت ہی حقیقت ہیں اور کسی تاویل کے بغیر ہیں ان کو حقیقت ہی پر محمول کرنا چاہیئے چنانچہ اگر جنت کے تذکرہ میں حسب الاتفاق اس کا ذکر آگیا ہے کہ وہاں انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی تو سامعین نے کبھی اسکو مبالغہ پر محمول نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق وہی سوالات کئے ہیں جو ان الفاظ کے حقیقی معنی میں پیدا ہو سکتے تھے۔ مثلاً کسی نے یہ سوال کیا کہ جنت میں کاشت اور کھیتی بھی ہوگی اور جب کبھی جنت میں صنفی تعلقات کا ذکر آگیا ہے تو سامعین میں سے اس پر کسی نے ولادت کے مسئلہ کا حل بھی دریافت کیا ہے اسی طرح بقیہ مسائل کے متعلق ایسے سوالات کئے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے غالب صحابہ ہمیشہ آپ کے کلام کو حقیقت ہی پر محمول کرنے کے عادی تھے پھر ان کے جو

جوابات آپ سے منقول ہیں وہ بھی اسی کی دلیل ہیں کہ خود آپ نے بھی ان الفاظ سے حقیقی معنوں ہی کا ارادہ فرمایا ہے مثلاً پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اگر کسی زراعت منش آدمی کے دل میں وہاں بھی یہ جذبہ پیدا ہوگا تو زراعت، اس کی بالیدگی و پختگی حسب آنا کی آن میں ہو جائے گی اور ذرا سی دیر نہ ہوگی کہ کھیتی کٹ کٹا کر اس کے گھر میں آ جائے گی اور قدرت کی طرف سے ارشاد ہوگا۔ ابن آدم! لے تو یہ بھی لے تیری ہوس آخر کسی طرح پوری بھی ہوگی اگر یہاں مجازی معنی استعمال ہوتے تو جواب صاف تھا کہ جنت میں کھیتی کہاں اس کا مطلب تو صرف ایک معنی مجازی اور مبالغہ تھا۔ اسی طرح دوسرے سوال کے جواب میں بھی آپ یہی فرما سکتے تھے کہ اگر کوئی شخص ولادت کی تمنا کرے گا تو فوراً حمل وولادت اور وضع حمل کا سلسلہ آناً فاناً پورا ہو کر کھیلتا ہوا بچہ اس کو مل جائے گا مگر جو دنیا میں میزان مستوفی ملانے کیلئے نہیں آئے بلکہ حقیقت ہی حقیقت بتانے آئے تھے انہوں نے یہاں بھی وہی جواب نہیں دیا جو صرف قیاس سے دیا جا سکتا تھا بلکہ وہ جواب عنایت فرمایا جو حقیقت میں اس کا جواب تھا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر جنت میں کسی کے دل میں یہ تمنا ہوتی تو ایسا ہی ہوتا مگر وہاں کسی کے دل میں یہ تمنا ہی نہیں ہوگی۔

غرض شریعت اسلام کی تاریخ میں متکلم و مخاطب دونوں ہی کے حالات سے ہم کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جانبوں سے شرعی الفاظ کے حقیقی معنی ہی مراد لئے گئے ہیں بجز اس کے کہ فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے وہاں استعارہ و مجاز اتنا واضح ہو کہ حقیقی معنی کی طرف عام طور پر ذہن کا انتقال ہی مشکل ہو۔ مثلاً صبح کے لئے الخیط الابیض کا لفظ اور شب کی تاریکی کے لئے الخیط الاسود کا لفظ فصیح لغت میں ایک ایسا مجاز ہے کہ اس مجاز کو چھوڑ کر یہاں حقیقت کا استعمال کرنا گویا انداز بلاغت ہی کو چھوڑ دینا ہے۔ اس کے باوجود جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود تو کسی دماغ نے اس کھلے ہوئے مجاز کو بھی حقیقت ہی پر محمول کیا اور سیاہ و سفید رنگ کے دو دھاگے لیکر اپنے تکیے کے نیچے رکھ لئے اور رات کو اس وقت تک کھاتا پیتا رہا جب تک کہ یہ دو دھاگے علیحدہ علیحدہ صاف صاف نظر نہ آنے لگے جب صبح ہوئی اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ نے بلیغانہ انداز میں فرمایا تمہارا تکیہ بھی کتنا لمبا چوڑا ہے جس کے نیچے دن کی روشنی اور رات کی تاریکی دونوں سما گئیں یعنی ان الفاظ سے مراد معنے مجازی تھے اور

یہاں مجاز ایسا متعین ہے کہ حقیقت کی طرف ذہن جانا ہی مشکل ہے تم نے اس کو حقیقت پر کیسے محمول کر لیا لیکن اس انفرادی غلطی کے باوجود اس کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ کلمہ "من الفجر" اور نازل ہو گیا تاکہ پھر یہ مجاز متعارف بھی حقیقت کے اتنا قریب آجائے کہ یہاں کسی ایک فرد کو بھی احکام کے باب میں اس غلط فہمی کا امکان نہ رہے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ دیگر کتب سماویہ کے مقابلہ میں قرآن کریم اور احادیث نبویہ

---

(۱) اس سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ یہاں ایسے مجازات کا تو بھلا کیا امکان ہو گا جن کی طرف کسی اہل زبان کا ذہن ہی منتقل نہ ہو سکے حتیٰ کہ ان کے زبردستی منوانے کے لئے جدید وحی کی ضرورت محسوس ہو۔ اور کسی نبی مزعوم کو آکر پہلے خود بھی سالوں کا مغالطہ لگا ہے اور وہ بھی انکو حقیقی معنی پر ہی حمل کرتا رہے پھر جب وہ مدعیِ مسیحیت بنے تو ان کے مجازی معنی مراد لے اور اس کے سمجھانے میں اس کو امت کے ساتھ مدتوں جنگ کرنی پڑے مثلاً یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی عیسیٰ ابن مریم سے مجازاً فلاں شخص (جس کا باپ بھی موجود ہے اور ماں کا نام بھی مریم نہیں ہے) مراد ہے اور نزول سے مجازاً ولادت اور حاکم سے مجازاً محکوم اور دمشق سے فلاں شہر اور دو زرد چادروں سے مجازاً دو مرض مراد ہیں غرض کہ اس پیشگوئی کے جملہ الفاظ میں مجازی معنی مراد لے لئے بجز ایک منارہ کے کہ اس کے معنی حقیقی مراد لے اور یہ حقیقی معنی بھی

کا یہ بھی ایک طغریٰ امتیاز ہے کہ یہاں جملہ بیانات اتنے واضح ہیں جتنا کہ وہ ہو سکتے ہیں پھر اگر ان میں کوئی ابہام رہ گیا ہے تو وہ بھی اسی حد تک ہے جو ناگزیر ہے بلکہ وہاں یہ ابہام ہی مناسب ہے بعض مرتبہ مصداق کے ظہور سے قبل وہ ابہام اس لئے بھی ناگزیر ہوتا ہے کہ اس کی تشریح کے لئے عقل انسانی متحمل نہیں ہو سکتی جیسے برزخی کیفیات ظاہر ہے کہ عالم برزخ جب عالم مادیات سے جدا عالم ہے تو جب تک ایک انسان اسی عالم مادہ میں موجود ہے وہ عالم برزخ کے دوسرے

---

۲ وہ خود اپنے نزول یعنی ولادت بلکہ دعوٰی مسیحیت کے بعد اپنے چندہ سے منارہ بنا کر پیدا کرے بیشک مجاز و استعارہ فصاحت و بلاغت کا ایک اہم باب ہے اور ہر زبان میں پایا جاتا ہے مگر کیا ایسے استعارہ و مجاز کی مثال بھی کسی زبان میں ملتی ہے اگر اس قسم کے استعارہ و مجاز کے لئے بھی کوئی وجہ جواز نکل سکتی ہے تو پھر دنیا میں جھوٹ اور کذب کی کوئی مثال نہیں مل سکتی ہر جھوٹ استعارہ و مجاز کے پردے میں چل سکتا ہے۔

عالم کی پوری تفصیلات کا پورا احاطہ کیسے کر سکتا ہے۔

اور درحقیقت آخری شریعت کی یہی صفت ہونی بھی چاہیئے کیونکہ پہلی کتب میں اگر کوئی ابہام رہ گیا تو آئندہ نبی نے آکر اس کو واضح کر دیا ہے لیکن اگر ضروری امور میں اس شریعت میں بھی ابہام رہ جائے تو اب یہاں کون ہے جو آئندہ آکر اس کی ذمہ دارانہ تشریح کر سکے مجتہدین کا بیان اس جگہ ناکافی ہے۔ ان کو یہاں دو طرفہ عمل کے لئے وسعت ہوتی ہے اس کے باوجود ان کے بیان کی وہ حیثیت نہیں جو رسول کے سرکاری بیان کی ہو سکتی ہے۔

غیر موقت پیشگوئیوں کا انکار یا تاویل دونوں خطرناک اقدام ہیں۔

جو پیشگوئیاں موقت نہیں ہیں۔ اُن کے متعلق قبل از وقت تھک کر یہ کہنا کہ مسلمانوں کا مسیح و مہدی جب آج بھی نہ آیا تو آخر کب آئے گا۔ بالکل کفار کے اس قول کے مشابہ ہے جو انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں قیامت کے بارے میں کہا تھا۔ ویقولون متیٰ ھو قل عسیٰ ان یکون قریبا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام چونکہ قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے اس لئے اس کی پیشگوئی کا دامن بھی قیامت تک وسیع رہنا چاہیئے۔ بہت سی پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہو چکیں۔ پھر کچھ حصہ ہے جو صحابہؓ کے زمانہ میں پورا ہوا۔ اس کے بعد اسی طرح ہر دور میں اُن کا ایک ایک حصہ پورا ہوتا رہا حتیٰ کہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ کا کوئی دور خالی نہیں گزرا ہے جس میں آپ کی پیش گوئی کا کوئی نہ کوئی حصہ آنکھوں کے سامنے نہ آتا رہا ہو۔

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی سرگذشت بہت مختصر اور

جامع الفاظ میں اگر آپ کو پڑھنی ہو تو آپ اُن الفاظ میں پڑھ لیجئے۔ جو صحیح مسلم میں موجود ہیں "ایک زمانہ آئے گا جس میں ایسی جنگ ہوگی کہ قاتل کو یہ بحث نہ ہوگی کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور مقتول کو یہ علم نہ ہوگا۔ کہ وہ کس جرم میں قتل کیا جا رہا ہے۔" ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان ہنگاموں میں قتل کا یہی نقشہ تھا کہ ایک انسان دوسرے انسان اور ایک جماعت دوسری جماعت کے قتل کے درپے تھی۔ اور کسی کو اس تحقیق کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ اس کا موافق ہے یا مخالف قتل کرنے والا کس گناہ میں دوسرے کو قتل کر رہا ہے اور مقتول کیوں مفت مارا جا رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آپ کی پیشگوئیوں کو صرف گزشتہ زمانہ ہی میں ختم کر دینا اور مستقبل میں پوری ہونے والی پیشگوئیوں کو قبل از وقت انتظار کر کر کے تھک جانا اور ان کے انکار پر آمادہ ہو جانا، درحقیقت آپ کی عموم بعثت کا انکار ہے۔ کیونکہ اگر آپ کی بعثت قیامت تک کے لئے ہے تو پھر اس کے صداقت کے نشانات بھی دنیا کے ہر دور کے انسان کے سامنے آنے چاہئیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کی سب پیشگوئیاں آپ ہی کی حیات طیبہ میں پوری ہوں گی۔ بلکہ بعض یعنی کچھ کا لفظ فرمایا ہے۔ فاما نرینک

بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا مرجعھم (یونس ۱۱) وان یک کاذبا فعلیہ کذبہ وان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم (غافر ۴۲) اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بھی آپ قبل از وقت انتظار کر کے خود بخود تھک جائیں۔ اور پھر صحیح حدیثوں کی ایسی ایسی تاویلیں کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔ جو دنیائے عالم میں قابل مضحکہ اور سارے دین میں شبہ کا باعث بن جائیں۔ کیونکہ جب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان واضح الفاظ کی یہ حیثیت ثابت ہو تو پھر کیا اطمینان کیا جا سکتا ہے کہ ذات و صفات اور حشر و نشر اور جنت و دوزخ کے واضح الفاظ کی صحیح حقیقتیں کیا ہوں گی۔ اور اس طرح پورے کے پورے دین پر کیا اطمینان باقی رہ سکتا ہے۔

صریح حدیثوں میں تاویل کا خطرناک نتیجہ

صریح الفاظ اور صریح بیانات کو پیچیدہ بنانے اور ان کی تاویلات کرنے کا نتیجہ کبھی اچھا برآمد نہیں ہوا یہود نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی آمد کی پیشگوئی میں تاویل کی آخراس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو انہوں نے دجال کا مصداق سمجھا اور جب دجال ظاہر ہوگا تو اس کو مسیح ہدایت سمجھکر اس کی اتباع کریں گے اسی طرح نصاریٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی صاف صاف پیشگوئیوں کی تاویلات کیں آخراس کا بھی جو نتیجہ ظاہر ہونا تھا وہ ہوا اور انہوں نے بھی اسی غلطی کی بدولت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا انکار کیا۔ لہذا صاف اور واضح بیانات میں تاویلات کرنا نہایت خطرناک قدم ہے اور اس کا ثمرہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی جگہ غلط مسیح، مسیح حق مان لئے جائیں اور جب حضرت عیسٰی علیہ السّلام نازل ہوں تو یہودیوں کی طرح ان کا انکار کر دیا جائے اگر نزول عیسٰی علیہ السّلام کے متعلق اتنے واضح اور صریح الفاظ میں بھی تاویلات یا مجازات و استعارات جاری کر دینا صحیح ہے تو پھر یہود و نصاریٰ کو بھی قصور وار ٹھرانا غلط ہوگا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق پیشگوئیوں میں تاویلیں کر کے اپنا ایمان برباد کیا ہے

والعیاذ باللہ من الزیغ والالحاد

سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپکی حیات طیبہ کی ایک اہم سرگذشت

۱۲۵۳ - عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْحَرْبَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا

حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول یقینی مسئلہ ہے کہ آنحضرت نے قسم کھا کر ذکر فرمایا ہے

۱۲۵۳ - ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یقیناً وہ زمانہ قریب ہے جبکہ ابن مریم تمہارے درمیان اتریں گے وہ ایک منصف فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے

آئیں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور سور کو قتل کریں گے اور جنگ ختم

۱۲۵۳ - حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول میں اگر عام عادت کے خلاف کوئی بات نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قسم کھا کھا کر کیوں بیان فرماتے معلوم ہوا کہ یہاں عیسٰی علیہ السلام کے نزول سے کسی انسان کی ولادت مراد نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی جدید بات نہیں جس پر قسم کھانے کی ضرورت ہو پھر اس پیشینگوئی کی اہمیت راوی حدیث کی نظر میں اتنی ہے کہ وہ اس کو قرآنی پیشینگوئی کہتا ہے اب اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ جو پیشین گوئی قسم کے ساتھ حدیثوں میں بیان کی گئی ہو بلکہ قرآن کریم میں موجود ہو وہ جزم و یقین کے کس درجہ میں ہوگی - حدیث مذکور میں ان کے زمانہ کی چند ایسی برکات کا تذکرہ بھی آ گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی شخصیت ایک غیر معمولی شخصیت ہوگی وہ کوئی معمولی محکوم انسان نہیں ہوں گے بلکہ حاکم بھی وہ حاکم ہوں گے جو وقت کی بڑی طاقت یعنی نصرانیت کا صرف روحانی طور پر ہی نہیں بلکہ مادی طور پر بھی استیصال فرمائیں گے اور شعائر نصرانیت میں سب سے بڑا شعار یعنی "صلیب" اسکو نیست نابود کر دینگے اُخروی برکات کے ساتھ ساتھ دنیوی برکات بھی ان کے قدموں سے لگی ہوئی ہونگی اور یہ سب برکات اتنی ظاہر و باہر ہونگی کہ اس وقت کے انسانوں کے لئے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے وہی "اسرائیلی" رسول ہونے کا بدیہی ثبوت ہوں گی

فِيهَا ثُمَّ يَقُولُ أَبُوهُرَيْرَةَ رض وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ؕ (رواه البخاری ومسلم ص۸۷ ج۱)

کر دیں گے اور ان کے دور میں مال اسطرح بہا بہا پھرے گا کہ کوئی شخص اسکا قبول کرنے والا نہ ملے گا اور لوگوں کی نظروں میں ایک سجدہ کی قدر وقیمت دنیا و ما فیہا سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی یہ مضمون روایت فرماکر ابوہریرہ رض

یہ بھی واضح رہے کہ حدیث مذکور میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کو "حَکَم" فرمایا گیا ہے اور حکم وہی ہو سکتا ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ نازل ہونے والے وہی اسرائیلی عیسٰی علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی شخصیت ہی اہل کتاب اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے نزدیک مسلم ہو سکتی ہے۔ اگر بالفرض اس پیشینگوئی کا مصداق کسی ایسے شخص کو قرار دیا جائے جو خود اسی امت میں پیدا ہو تو اسکو حکم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اہل کتاب کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہو گا یہاں حکم یعنی ثالث کی ضرورت اس لئے ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر جملہ ادیان کا پھر ملت واحدہ بنجانا ضروری ہے اور اس لئے اہل کتاب کے اور اہل قرآن کا باہم

وفی لفظ من روایۃ عطاءٍ ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ واحمد فی مسندہ ص۲۹۳ ج۲ وص۲۹۲ ج۲ وبطریق اخر فی ص۲۱۱ ج۲

ولفظہ یوشک من عاش منکم اَنْ یَّلقٰی عیسٰی بن مریم وعزاہ السیوطی فی الدر المنثور ص۲۴۲ ج۲ لابن ابی شیبۃ وعبد بن حمید واخرجہ ابن مردویہ وفی لفظہ وتکون السجدۃ واحدۃ للہ ربّ العٰلمین واقرءوا اِن شئتم وَاِنْ مِّن اَھلِ الکتٰب اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ موت عیسیٰ بْنِ مَرْیَمَ ثُمَّ یُعِیدُھَا ابوھُرَیرَۃ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ؂

کہتے تھے کہ اگر تم اس مضمون کو قرآن کی روشنی میں دیکھنا چاہو تو سورۃ النساء کی یہ آیت پڑھ لو "وان من اھل الکتٰب اِلَّا لیؤمننّ بہ قبل موتہ" (بخاری شریف) مسلم شریف میں عطاء کی روایت میں یہ الفاظ اور ہیں کہ آپ کے زمانہ کی برکات میں سے یہ بھی ہوگا کہ لوگوں میں کینہ، بغض اور حسد کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔

اختلاف ختم ہوجانا لازم ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب فیصلے دلائل و براہین کی روشنی میں ہوتے ہیں اس لئے اس کی مصلحت نے تقاضا کیا کہ اس مقصد کے لیے ایک ایسی شخصیت آئے جو فریقین

۱۲۵۴- واخرج ابو یعلی مرفوعاً والذی نفسی بیدہٖ لینزلن عیسٰی ابن مریم ثم لئن قام علیٰ قبری وقال یا محمد لاجیبنہ کذا فی روح المعانی من الاحزاب ص۶ ؀

۱۲۵۴- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذات کی قسم کھا کر فرمایا جس کے قبضہ میں آپ کی جان ہے کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ ضرور اتر کر رہیں گے اور اگر وہ میری قبر پر آکر کھڑے ہوں گے اور مجھ کو یا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر آواز دیں گے تو میں ان کو ضرور جواب دونگا۔ (روح المعانی)

کے نزدیک مسلم ہو تاکہ خدائے تعالیٰ کی حجت دونوں فریق پر پوری ہو جائے اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا تشریف لانا مقدر ہوا۔ وتمت کلمت ربک صدقاً وعدلاً ؀

۱۲۵۵ - عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَکَ مِنْکُمْ عیسٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَلْیُقْرِئْہُ مِنِّی السَّلَامَ کذا فی الدر منثور ص۲۴۵ ج ۲ وقد رواہ احمد فی مسندہ عن ابی ھریرۃ رض مرفوعاً ایضاً بسند رجالہ البخاری -

۱۲۵۶ - عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَوْقُوْفاً عَلَیْہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اِنْ طَالَتْ بِیْ حَیٰوۃٌ اَنْ اُدْرِکَ عیسٰی بْنَ مَرْیَمَ فَاِنْ عُجِّلَ بِیْ مَوْتٌ فَمَنْ اَدْرَکَہٗ فَلْیُقْرِئْہُ مِنِّی السَّلَامَ ⁂ (مسند احمد ص۲۹۸ ج۲) و رجالہ رجال البخاری وقد اخرج البخاری بھذا الاسناد احادیث فراجع ص۱۰ ج۲ و ص۹۹۹ ج۲ -

---

۱۲۵۵ - انس رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے جس شخص کی بھی عیسیٰ بن مریم سے ملاقات ہو وہ ان کو میری جانب سے حضور سلام کہدے (احمد)

۱۲۵۶ - ابوہریرہ رض فرماتے ہیں کہ اگر میری زندگی دراز ہوگئی تو مجھکو امید ہے کہ عیسیٰ بن مریم سے خود میری ملاقات ہو جائیگی اور اگر اس سے پہلے میری موت آجائے تو جو شخص انکا زمانہ پائے وہ میری جانب سے ان کی خدمت میں سلام عرض کردے (مسند احمد)

۱۲۵۶ - ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول یقینی امر ہے اور ایسا

۱۲۵۷۔ عَنِ الْحَسَنِ مَرْفُوعًا وَمَوْقُوفًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْيَهُوْدِ اِنَّ عِيْسٰى لَمْ يَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَيْكُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ابتک وفات نہیں ہوئی انکو تشریف لانا ہے اسکے بعد انکی وفات ہونی ہے

۱۲۵۷ - حضرت حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے ارشاد فرمایا۔ عیسٰیؑ ابھی مرے نہیں ہیں اور قیامت سے پہلے ان کو لوٹ کر تمہارے پاس آنا ہے (ابن کثیر)

یقینی ہے کہ اس پیشین گوئی کے راویوں کی نظروں میں اس کا انتظار تک رہا تھا۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انکی شخصیت غیر معمولی شخصیت ہے۔ اُمت کا فرض ہے کہ وہ پیشین گوئی کو یاد رکھے اور جس خوش نصیب کو وہ زمانہ ہاتھ آجائے اس پر لازم ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچا کر آپکی وصیت کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرے۔

۱۲۵۷ - عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کو علیحدہ علیحدہ خطاب فرمایا ہے چونکہ یہود عیسٰی علیہ السلام کو مردہ

اخرجہ ابن جریر مرفوعاً عنہ واخرج ابن کثیر من آل عمران و ذکرہ فی النساء من طریق اخر موقوفاً علیہ واخرجہ ابن ابی حاتم مرفوعاً۔

تمہارے پاس آنا ہے۔ (ابن کثیر)

(سلسلہ نوٹ ۱۲۵۷)
تصور کرتے ہیں۔ اور انکی دوبارہ آمد کے منکر ہیں اس لئے جب آپ نے خاص یہود کو خطاب فرمایا تو ان کے مقابلہ میں خاص طور پر ان کی دوبارہ تشریف آوری پر زور دیا ہے اور صراحت کے ساتھ ان کی موت کی نفی فرمادی ہے جس سے ثابت ہوا کہ جب عیسیٰ علیہ السّلام کی وفات ہی نہیں ہوئی تو پھر ان کا دوبارہ تشریف لانا خود بخود ضروری ہے اور اس حقیقت کی مزید تاکید کے لئے کہ جو شخص آسمانوں پر گیا ہے وہی شخص دوبارہ آئے گا " رجوع " یعنے لوٹنے کا استعمال فرمایا ہے اس کے برعکس نصاریٰ کے ہیں جو ان کو خدا مانتے ہیں لہذا ان کے نزدیک وہ فناء کے تحت آہی نہیں سکتے لہذا آپ نے جب خاص ان سے خطاب فرمایا تو ان کو یہ کہکر قائل کیا ہے کہ خدا وہ ہے جسکو کبھی فناء نہو۔ اور عیسیٰ علیہ السّلام کو اترنے کے بعد موت آنی ہے پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔

۱۲۵۸۔ عَنِ الرَّبِیعِ مُرسَلًا قَالَ اِنَّ نَصَارٰی اَتَوا رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَخَاصَمُوہُ فِی عِیسٰی بنِ مَریَمَ وَقَالُوا لَہٗ مَن اَبُوہُ وَقَالُوا عَلَی اللّٰہِ الکَذِبَ وَالبُہتَانَ فَقَالَ لَہُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ

۱۲۵۸۔ ربیع مرسلاً بیان کرتے ہیں کہ نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسیٰ بن مریم کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے (کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے) تو بتائیے ان کا والد کون تھا اور حق تعالیٰ شانہٗ پر طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان لگانے لگے آپ نے ان سے فرمایا کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوا کرتا ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اس کو موت کبھی نہ آئیگی

باقی بر صفحہ ۱۳۱

۱۲۵۸۔ اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت آچکی تھی تو لیا اس حقیقت کے انکشاف کے لئے اس سے زیادہ بڑھ کر کوئی اور موقع تھا آپ یہاں صاف فرما دیتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کبھی کے مر چکے ہیں مگر قرآن و حدیث میں عیسائیوں کے سامنے

باقی بر صفحہ ۱۴۴

أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَا يَكُونُ وَلَدٌ إِلَّا وَهُوَ يُشْبِهُ أَبَاهُ قَالُوا بَلَى قَالَ أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَبَّنَا حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَأَنَّ عِيسَى يَأْتِي عَلَيْهِ الْفَنَاءُ قَالُوا بَلَى. الحديث كذا في الدر المنثور من اول سورة

ص ۲۰۳
ج ۲

۱۲۵۹ - عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أُسَيْدٍ الْغِفَارِيِّ

اور عیسیٰ (علیہ السّلام) کو موت آنی ہے انہوں نے اس کا اقرار کیا اور کہا بیشک انکو موت آنی ہے (تو پھر وہ حق تعالیٰ کے مشابہ کہاں رہے) (در منثور)

۱۲۵۹ - ابو الطفیل حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر سے تشریف لائے اس وقت ہم قیامت کے متعلق گفتگو میں

ایک جگہ بھی ہم کو اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔

۱۲۵۹ - حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کا آنا یقینی ہے مگر اس سے پہلے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا نزول چند اور علامات کے ساتھ بھی اتنا ہی یقینی ہے - حتیٰ کہ ان کی تشریف آوری سے قبل قیامت کا تصور کرنا گویا بے حقیقت بات ہے - نیز حدیث مذکور میں حضرت

قَالَ اِطَّلَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ فَقَالَ مَا تَذَاکَرُوْنَ قَالُوْا نَذْکُرُ السَّاعَۃَ قَالَ اِنَّھَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰی تَرَوْنَ قَبْلَھَا عَشْرَ اٰیَاتٍ فَذَکَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّابَّۃَ

مشغول تھے آپ نے فرمایا کیا گفتگو کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی قیامت کے متعلق باتیں کر رہے ہیں آپ نے فرمایا قیامت اس وقت تک ہرگز نہیں آسکتی جب تک کہ اس سے پہلے تم دس نشانیاں دیکھ نہ لو۔ دھواں۔ دجال۔ دابۃ الارض۔ مغرب کی جانب سے آفتاب کا طلوع۔ عیسیٰ بن مریم کا اترنا۔ یاجوج و ماجوج کا ظہور۔ تین خسف۔ ایک مشرق میں ایک

باقی صفحہ ۱۳۶

سلسلہ نوٹ ۱۲۵۹

عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جن اور دیگر علامات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر علامت اپنی اپنی نوعیت میں عجیب ہی ہے اور ظاہر ہے کہ انقلاب عالم کے عجیب تر حادثہ کی علامات ایسی ہی عجیب در عجیب ہونی چاہئیں ان کو تاویلیں کر کرکے دنیا کے عام حوادث کی صف میں کھینچنا قیامت کی حقیقت سے ناواقفی کی دلیل ہے بلکہ ایک طرح پر قیامت ہی کا انکار ہے کیونکہ قیامت کا وجود ان علامات کے وجود سے کہیں عجیب تر ہے پس اگر یہ علامات

باقی صفحہ ۱۳۶

وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولَ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ وَيَأْجُوجَ وَ مَأْجُوجَ وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٍ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذَالِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۵۹)
مغرب میں اور تیسرا جزیرۂ عرب میں اور سب سے آخر میں وہ آگ جو یمن سے

باقی بر صفحہ ۱۳۷

سلسلہ نوٹ ۱۲۵۹

مادی عقول کے نزدیک خلاف عقل ہونے کی بنا پر قابل تاویل ہیں تو پھر قیامت کا وجود بدرجہ اولیٰ قابل تاویل ہونا چاہیئے۔ والعیاذ باللہ۔ اہل عقل وانصاف کو ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول حدیثوں میں قیامت کے قریب تر متعلقات میں شمار کیا گیا ہے۔ پھر اسکو اگر قیاس کرنا ہی ہے تو قیامت پر قیاس کرنا چاہیئے عالم کے عام نظم ونسق میں اسکو شامل کر لینا کتنی بڑی نادانی ہے۔

حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ علامات قیامت میں قیامت کی علامات کی دو قسمیں قرار دی ہیں صغریٰ (چھوٹی) اور کبریٰ (بڑی)، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات کبریٰ میں شامل فرمایا ہے جس کا حاصل حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اس کے بعد قیامت کا اسطرح انتظار کرنا چاہیئے جیسے جانور کے حمل کی مدت پوری ہو جانیکے

باقی صفحہ ۱۳۷

نَظَرُ النَّاسِ اِلٰی مَحْشَرِھِمْ ۔ اخرجہ مسلم ص۳۹۳ وعن واثلۃ نحوہ اَخرجہ الطبرانی والحاکم ووافقہ الذھبی علی تصحیحہ۔

۱۲۶۰۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ ظَاھِرِیْنَ عَلٰی مَنْ نَاوَاھُمْ حَتّٰی یَأْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ مسند احمد ص۴۲۹ ج۴ ورجالہ کلہم ثقات۔

ظاہر ہوگا اور سب کو دھکا دے کر محشر تک لیجائیگی (مسلم شریف)

۱۲۶۰۔ عمران بن حصینؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری اُمت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہیگی جو اپنے دشمنوں پر غالب رہیگی یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو اور حضرت عیسٰی بن مریم اتر یں۔ - مسند احمد

بعد اس کا مالک بچہ کی پیدائش کا انتظار کیا کرتا ہے جیسا کہ اس باب کے آخر کی حدیثوں میں عنقریب آپ کی نظروں سے گذرے گا۔

۱۲۶۰ - حدیث مذکور اگرچہ ایک دوسرے مضمون کی حدیث ہے مگر چونکہ قیامت سے قبل حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری قیامت کی طرح یقینی مسئلہ ہے اسلئے

۱۲۶۱۔ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا قَالَ اِنَّ الْمَسِیْحَ بْنَ مَرْیَمَ خَارِجٌ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَلَیَسْتَغْنِیَنَّ بِہِ النَّاسُ عَمَّنْ سِوَاہُ۔ (کنز العمال ص ۲۶۸ ج ۷)

۱۲۶۲۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا کَیْفَ تَہْلِکُ اُمَّۃٌ اَنَا فِیْ اَوَّلِہَا وَعِیْسٰی فِیْ اٰخِرِہَا۔ کنز ص ۲۰۳ ج ۷ وصححہ فی الدر المنثور فی ضمن اثر کعب وحسنہ فی الفتح من فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وذکر فی مشکوٰۃ فی ثواب ھذہ الامۃ عن رزین بسلسلۃ الذھب قال فی التیسیر ص ۲۰۳ ج ۱ رواہ النسائی وغیرہ

(ترجمہ پچھلے صفحہ پر ہے)

۱۲۶۱۔ ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) یقیناً تشریف لا کر رہیں گے اور ان کی آمد کے بعد لوگ ان کے سوا سب سے بے نیاز ہو جائیں گے (کنز العمال ص ۲۶۸ ج ۷)

۱۲۶۲۔ ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بھلا وہ

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۰

جب کہیں قیامت کا تذکرہ آتا ہے تو اگر وہاں سیاق کلام میں ذرا کوئی مناسبت نکل آتی ہے تو مسلمات کی طرح فوراً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔

۱۲۶۳ - عن جُبَیر بن نُفَیر الحَضرمی مرفوعًا مُرسلاً لن یُخزی اللہ اُمّۃً انا فی اوّلھا وعیسٰی فی آخرھا - کذا فی الدر المنثور

امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں تو میں ہوں اور آخر میں عیسٰی (علیہ السّلام) ہوں۔

۱۲۶۳ - جبیر بن نفیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو ہرگز ناکام نہیں کرے گا جس کے اول میں تو میں ہوں

اور آخر میں عیسٰی (علیہ السلام) ہوں (منثور)

۱۲۶۳ - حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول یقینی ہے اور اس نزول میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اُمت کے لئے ایک بڑی رحمت بھی پنہاں ہو یوں تو یہ گذشتہ امت دو رسولوں کے درمیان ہی ہوتی چلی آئی ہے مگر چونکہ ہر رسول کی امت مستقل ہوتی تھی اس لئے اس دوسرے رسول کو پہلی اُمت کے آخر میں شمار کرنا بے معنی بات تھی وہاں ہر رسول کا اصل مقام اپنی امت کے اول ہی میں تھا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو نصاری کے بعد تشریف لائے مگر چونکہ آپ مستقل رسول تھے اور آپ کی اُمت علیحدہ امت تھی اس لئے آپ کو امت عیسٰی علیہ السّلام کے آخر

باقی صفحہ ۱۴۰

ص۲۲۲ وقال الذهبی فی التلخیص هو خبر منکر و لم یذکر له جها

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۳

میں شمار کرنا اور یہ کہنا کہ عیسیٰ السلام کی امت بھی دو رسولوں کے درمیان ہے اس کے اول میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے معنی بات ہے لیکن اس اُمت کا معاملہ بالکل مختلف ہے یہاں اپنی امت کے رسول تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اس اُمت میں بحیثیت رسول نہ ہوگی اس لئے ان کی اُمت بھی کوئی جدید امت نہ ہوگی اس لئے ان کو اس امت کے آخر میں شمار کرنا بالکل درست ہے اور اس اُمت کے حق میں بڑی رحمت کا باعث ہے۔

حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ آخر میں آنے والے رسول وہی اسرائیلی رسول ہوں گے اور خود اس امت میں پیدا نہیں ہوں گے کیونکہ اگر وہ خود اس امت میں پیدا ہوں تو پھر ان کو امت کے آخر میں کہنا مناسب نہیں پس یہاں جس طرح امت کے اول میں آنے والے رسول کو اس امت میں شمار کرنا صحیح نہیں اسی طرح اس کے آخر میں آنے والے رسول کو اس امت میں پیدا شدہ کہنا صحیح نہیں بلکہ وہ ایسا رسول ہونا چاہئے

باقی صفحہ ۱۴۱

وجيهاً بل الصحيح انه ان لم يكن صحيحاً فلا ينحط عن درجة الحسن
كما صرح به الحافظ فى الفتح ص وعن عروة بن رويم مثله كما
فى الكنز ص ۲۰۲ ج وعن كعب مثله مرفوعاً فى ضمن اثره
الموقوف عليه كذا فى الدر المنثور وعن جعفر الصادق رض
عن ابيه عن جده مرفوعاً فى حديث نحوه رواه رزين
كما فى المشكوٰة من باب ثواب هذه الامة ۔

سلسلہ فوٹ ۱۲۶۳

جو خود رسول ہو مگر آئندہ اس کی کوئی علیحدہ امت نہ ہو تاکہ اس کو اس امت کے آخر میں
کہنا صحیح اور بامعنی بات ہو یہ بات دوسری ہے کہ چونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بعد میں آئے گا اس لئے دور نبوت کے لحاظ سے اس کو آپ کی امت میں بھی شمار کرنا
درست رہے۔ تو پھر اسمیں ایک عیسٰی علیہ السّلام کی تخصیص نہیں تمام انبیاء علیہم السّلام بھی
آپکی نبوت کے تحت ہیں اور اس لئے صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ محشر میں آدم علیہ السّلام سے
لے کر عیسٰی علیہ السّلام تک سب آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہونگے مگر چونکہ حضرت عیسٰیؑ
کی یہ شان ایک بار دنیا میں بھی ظاہر ہو گی اس لئے تمام انبیاء علیہم السّلام میں سے خاص انکے
اندر یہ شان زیادہ نمایاں رہے گا۔ اس لئے علماء حقائق نے لکھا ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام میں اس خصوصیت

۱۲۶۴ - عَنْ الْحَاطِبِ بن اَبِي بَلْتَعَةَ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے اتریں گے اور زمین کے کسی خطہ میں پیدا ہونگے

۱۲۶۴ حاطب بن ابی بلتعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو مقوقش شاہ اسکندریہ کے پاس بھیجا یہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ کو اپنی جگہ پر بٹھایا

کا ظہور قیامت کے دن بھی سب میں ممتاز رہے گا عجب نہیں کہ انا اولی الناس بابن مریم کی صحیح حدیث میں اس طرف طرف بھی کچھ اشارہ ہو ۱۲ -

۱۲۶۴ - اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حاطبؓ اور شاہ مقوقش کے درمیان ایک مرلوط گفتگو کا تذکرہ ہے جسکو پڑھ کر بے ساختہ دل اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے اس گفتگو میں صحابی کو مقوقش کے جواب میں گو صرف اتنا کہدینا کافی تھا کہ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں پر بد دعا کیوں نہیں کی ،، مگر انہوں نے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمُقَوْقِسِ مَلِکِ الْاِسْکَنْدَرِیَّۃِ قَالَ فَجِئْتُہٗ
بِکِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَنِیْ فِیْ مَنْزِلِہٖ وَاَقَمْتُ
عِنْدَہٗ ثُمَّ بَعَثَ اِلَیَّ وَقَدْ جَمَعَ بَطَارِقَتَہٗ وَقَالَ اِنِّیْ سَاُکَلِّمُکَ بِکَلَامٍ

سلسلہ حدیث ہم ۱۲۶

اور میں ان کے ہاں مقیم رہا پھر کسی فرصت میں انہوں نے مجھے یاد فرمایا اور اپنے ہمیں بزرگوں کو بھی دعوت دی اور کہا مجھ کو تم سے ایک بات کہنی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اسکو خوب سمجھ لو یہ کہتے ہیں میں نے عرض کی فرمائیے فرمائیے! انہوں نے فرمایا اچھا اپنے پیشوا کے متعلق بتاؤ کیا وہ نبی ہیں؟ میں نے عرض کیا یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں اس پر انہوں نے کہا تو پھر انکی قوم نے ان کو اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا تو انہوں نے کیوں ان پر بد دعا نہ کی۔ یہ

باقی بر صفحہ ۱۴۴

شاہ مقوقس پر اور زیادہ زور ڈالنے کے لئے۔ حقیقت بھی واضح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہجرت فرمائی تھی وہ تو صرف ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف تھی مگر عیسٰی علیہ السلام کی ہجرت تو ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف تھی ظاہر ہے کہ آپ نے وطن چھوڑا مگر پھر بھی رہے وطن ہی کے قریب و بعید میں اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نے تو ایسی جگہ

وَاُحِبُّ اَنْ تَفْهَمَهٗ مِنِّیْ قَالَ قُلْتُ هَلُمَّ قَالَ اَخْبِرْنِیْ عَنْ صَاحِبِكَ

اَلَیْسَ هُوَ نَبِیًّا قُلْتُ بَلٰی هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ فَمَا لَهٗ حَیْثُ کَانَ هٰکَذَا

لَمْ یَدْعُ عَلٰی قَوْمِهٖ حَیْثُ اَخْرَجُوْهُ مِنْ بَلَدِهٖ اِلٰی غَیْرِهَا قَالَ فَقُلْتُ

عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ اَلَیْسَ تَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَا لَهٗ حَیْثُ اَخَذَهٗ

قَوْمُهٗ فَاَرَادُوْا اَنْ یَّصْلِبُوْهُ اَنْ لَّا یَکُوْنَ دَعَا عَلَیْهِمْ بِاَنْ یُّهْلِکَهُمُ اللّٰهُ

سلسلہ ترجمہ ۱۲۶۴

کہتے ہی ہیں نے اس کے جواب میں شاہ مقوقس سے کہا کیا آپ عیسیٰ علیہ السلام

کے متعلق یہ گواہی نہیں دیتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر جب انکی قوم نے انکو

پکڑ کر سولی دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے اس وقت ان کے حق میں

باقی بر صفحہ ۱۴۲

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۴

ہجرت فرمائی جہاں نہ وطن کی خبر رہی نہ اہل وطن کی۔ پس بد دعا کا سوال وہاں زیادہ چسپاں

ہوتا ہے جہاں مظلومیت زیادہ ہو اس پر شاہ مقوقس نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ کیا نامعقول

بات کہتے ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر کہاں گئے انکی تو مدت ہوئی وفات ہو چکی

ہے بلکہ وہ لاجواب ہو کر چپ رہ گیا اور اس کو خود انکی بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی بھی غائبانہ داد دینی پڑی معلوم ہوا کہ شاہ مقوقس کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰ

باقی بر صفحہ ۱۴۲

عَزَّ وَجَلَّ حَتّٰی رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ فِی السَّمَاءِ الدُّنْیَا قَالَ اَنْتَ الْحَکِیْمُ الَّذِیْ جَاءَ مِنْ عِنْدِ الْحَکِیْمِ - اخرجه البیهقی (کما فی الخصائص صـ ۱۲/۱ج) قلت ولم یذکره الشیخ قدس سره فی رسالته فی نزول المسیح علیه السلام۔۔

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶
یہ بددعا کیوں نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کردے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اس آسمان پر ان کو اُٹھا لیا۔ یہ سن کر شاہ مقوقس نے کہا تو خود بھی دانا شخص ہے اور جس ہستی کا فیض یافتہ ہے وہ بھی بڑی صاحب حکمت ہے۔ (بیہقی)

سلسلہ نوٹ ۱۲۶
علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ زندہ آسمانوں پر تشریف لے گئے ہیں اس لئے آسمان ہی سے اتریں گے ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان کا دنیا میں پیدا ہونے کا خیال یہ صرف جدید تراشیدہ افسانہ ہے جس کے نہ اہل کتاب ہی قائل تھے نہ علماءِ اسلام۔

۱۲۶۵- عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ اِبْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ - ذکرہ البیھقی فی کتاب الاسماء والصفات ص۳۰۱ و عزاہ للبخاری و مسلم علی عادۃ المحدثین فی کون مرادھم بہ اصل الحدیث۔

۱۲۶۵ - ابوہریرہ رض روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- بھلا اسوقت تمہاری کیا حالت ہو گی جب کہ عیسٰی علیہ السّلام تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے۔ اور تمہارا امام خود تم میں کا ہو گا۔ (الاسماء والصفات) باقی بر صفحہ ۱۴۷

۱۲۶۵ - حدیث مذکور میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام آسمان سے اتریں گے ہرچند کہ آسمان کے لفظ کی ان تفصیلات کے بعد جو عیسٰی علیہ السّلام کے معاملہ میں بیان میں آچکی ہیں کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس کے باوجود چوں کہ وہ ایک حقیقت تھی اس لئے اگر بضرورت نہ سہی تو ایک حقیقت کے اظہار کے

باقی بر صفحہ ۱۴۷

وعن ابن عباس فی تفسیر قوله تعالیٰ ان تعذبهم فانهم عباد ... وان تغفر لهم ای من ترکت منهم ومدّ فی عمره حتی اهبط من السّماء الی الارض یقتل الدّجال فنزلوا عن مقا لتهم ووحدك وافرّوا انا عبید ؛

وعن قتادة لمّا اراد اللّٰه انّ یرفع عیسٰی الی السّماء خرج

(سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۲۵)

ابن عباسؓ آیۃ وان تغفر لھم الخ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخشدے یعنی ان لوگوں کو جن کو تو باقی رکھے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السّلام کی عمر دراز کر دی گئی ہے یہاں تک کہ جب وہ آسمان سے زمین پر اتریں اور دجال کو قتل کر دیں تو جو باقیماندہ

باقی بر صفحہ ۱۴۸

طور پر ہی سہی اس کا جا بجا تذکرہ ملتا ہے حتّی کہ ابن عباسؓ بھی جن کے متعلق یہ داستان گائی جاتی ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی موت کے قائل تھے مختلف مقامات میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کی تصریح فرماتے ہیں پھر اس میں شبہ لیا ہے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو بھی مرنا ہے کلام صرف اسمیں ہے کہ یہ مقدر موت واقع ہو چکی ہے یا آئندہ

باقی بر صفحہ ۱۴۸

الی اصحابه و فی البیت اثنا عشر رجلاً من الحواریین فخرج علیهم من عین البیت و رأسه یقطر ماءً - در منثور ص۲۳۸ ج۲

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۵

اپنے مشرکانہ عقیدے سے باز آکر تیری وحدانیت کے قائل ہو جائیں اور یہ اقرار بھی کریں کہ میں تیرا ایک بندہ ہی ہوں تو تو قادر و حکمت والا ہے نیز ابن عباس بن رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اس وقت گھر میں صرف بارہ شخص موجود تھے اور وہ گھر کے دروازہ کی بجائے روشندان سے تشریف لے گئے اور اس وقت ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

واقع ہونے والی ہے۔ کتنی نافہمی ہے کہ بالفرض اگر ان کے بارے میں کسی سے موت کا لفظ منقول بھی ہے تو اس کو فوراً بے تحقیق گذشتہ موت پر حمل کر لیا جائے حالانکہ وہ اس کا صاف اقرار بھی کر رہا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے جا چکے ہیں اور آئندہ تشریف لا کر عام انسانوں کی طرح وفات پائیں گے۔

۱۲۶۶ - عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا قَالَ الدَّجَّالُ أَوَّلُ مَنْ يَتَّبِعُهُ سَبْعُونَ
أَلْفًا مِنَ الْيَهُودِ عَلَيْهِمُ السِّيجَانُ (الى قوله) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُولُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَاءِ
عَلَى جَبَلِ افِيقٍ إِمَامًا هَادِيًا وَحَكَمًا عَادِلًا عَلَيْهِ بُرْنُسٌ لَهُ مَرْبُوعُ الْخَلْقِ
أَصْلَتُ سَبِطُ الشَّعْرِ بِيَدِهِ حَرْبَةٌ يَقْتُلُ الدَّجَّالَ فَإِذَا قَتَلَ الدَّجَّالَ

۱۲۶۶ - ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب
سے پہلے جو لوگ، دجال کی اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہودی ہوں گے ان کے سروں
پر طیلسان ہوں گے اس سلسلہ میں ابن عباسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کوہ افیق پر آسمان سے
اتریں گے اور وہ امام ہادی اور منصف حاکم ہوں گے برنس (باران کوٹ کی طرح
ہوتا ہے) پہنے ہوئے ہونگے وہ میانہ جسم کے گٹھے ہوئے رخسار اور سیدھے بالوں

باقی صفحہ ۱۵۰

۱۲۶۶ - اس حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ آسمان کا لفظ موجود ہے اور ان سے دور کے
امن وامان اور اصلاح عام کا ایسا نقشہ موجود ہے جس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ یقیناً وہ کوئی

تَضَعُ الحَرْبُ اَوْزَارَهَا فَكَانَ السِّلْمُ فَيَلْقَى الرَّجُلُ الْاَسَدَ فَلَا يَهِيجُهُ وَيَاخُذُ الحَيَّةَ فَلَا تَضُرُّهُ وَتَنْبُتُ الْاَرْضُ كَنَبَاتِهَا عَلٰى عَهْدِ اٰدَمَ وَيُؤْمِنُ بِهٖ اَهْلُ الْاَرْضِ وَيَكُوْنَ النَّاسُ اَهْلُ مِلَّةٍ وَّاحِدَةٍ (اسحٰق ابن بشیر کنز ۲۶۶)

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۶

والے ہیں ان کے ہاتھ میں نیزہ ہوگا دجال کو قتل کریں گے اور جب اس کے قتل سے فارغ ہو جائیں گے تو جنگ ختم ہو جائے گی اور امن و سلامتی کا یہ عالم ہوگا کہ آدمی اور شیر کا آمنا سامنا ہوگا مگر اس پر حملہ کرنے کا اس کے دل میں ذرا خیال نہ آئے گا آدمی سانپ کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور وہ اس کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچائے گا اور زمین کی پیداوار میں وہ برکت ہوگی جو کبھی آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھی اور زمین کے بسنے والے ان پر ایمان لے آئیں گے اور سب مخلوق ایک ہی ملت و مذہب کی ہو جائے گی ۔ (کنز)

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۶

غیر معمولی انسان ہوں گے اب اگر کسی کے دل میں ہر حقیقت کو مجاز بنا بنا کر اس پیشینگوئی کو اپنے نفس پر صادق کرنے کا جذبہ ہو تو اس کا علاج کس کے پاس ہے، ہاں جو شخص کسی کی

۱۲۶۷۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَنْبِيَاءُ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ آئندہ تشریف لانے والے وہی عیسٰی ہوں گے جنکی پیدائش بغیر والد کے ہوئی ہے چنانچہ اسکی وضاحت کیلئے آپنے انکے نام انکے نسب اور انکی شکل وصورت بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے اسکے ساتھ آپکی خدمات مفوضہ ان کا منصب انکے زمانہ میں امن عام کی کیفیت رزق کی فراوانی اور دیگر امور کی تفصیلات بھی بیان فرما دی ہیں

۱۲۶۷ - ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جتنے انبیاء ہیں

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۶
ہوائے نفسانی کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بصیرت افروز ارشادات کی بجائے تاویلات پر یقین لانیکو ترجیح دے وہ اپنا ٹھکانا خود سوچ لے «ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور»۔
۱۲۶۷ - اس حدیث پر پہلی نظر ڈالنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں ہی مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أَبُوهُمْ وَاحِدٌ وَأُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ فَإِنَّهُ رَجُلٌ مَرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبِطٌ كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۷

سب باپ شریک بھائیوں کی طرح ہیں جن کا والد ایک اور مائیں علیحدہ علیحدہ ہوں عیسٰی علیہ السلام سے سب سے زیادہ نزدیک ہیں ہوں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں دیکھو وہ ضرور اتریں گے اور جب تم ان کو دیکھو تو فوراً پہچان لینا کیوں کہ اُن کا قد میانہ ہوگا۔ رنگ سرخ و سفید، کنگھی کئے ہوئے سیدھے سیدھے بال یوں معلوم ہوگا سر سے پانی ٹپکنے والا ہے اگرچہ اس پر کہیں تری کا نام

باقی بر صفحہ ۱۵۳

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۷

کا تذکرہ ہے جو ایک بار بہ حیثیت نبی کے پہلے آچکے ہیں اور وہی اس اُمت پر ایک بڑی مصیبت کے وقت دوبارہ پھر تشریف لانے والے ہیں کیونکہ زمانہ کے لحاظ سے آپ سے وہی اتنے قریب ہیں کہ ان کے اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں اس لئے بھی اس مصیبت کے وقت آپ کی اُمت کی ہمدردی کا فرض سب سے پہلے ان ہی پر عائد ہوتا ہے نیز آپ نے

وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُعَطِّلُ الْمِلَلَ حَتّٰى يُهْلِكَ اللّٰهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا غَيْرَ الْاِسْلَامِ وَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِي زَمَانِهِ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ الْكَذَّابَ وَتَقَعُ الْاَمَنَةُ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى تَرْتَعَ الْاِبِلُ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۷

ہو گا۔ دو گیرو کے رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے وہ اتر کر صلیب کو توڑ ڈالیں گے سور کو قتل کریں گے جزیہ ختم کر دیں گے اور تمام مذاہب ان کے زمانہ میں ختم ہو کر صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا اور ان کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ جھوٹے مسیح دجال کو ہلاک کرے گا اور زمین پر امن و امان کا

باقی صفحہ ۱۵۴

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۷

اسکی مزید توضیح کے لئے ان کا ذاتی نام ونسب نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے لطافت و طہارت اور ان کے حسی حلیہ مبارک کا تذکرہ فرمایا ہے جس نے بڑے بڑے مجنوں کے لئے بھی اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر آپنے صرف ان کے ماضی سوانح کے بیان پر ہی کفایت نہیں مانی بلکہ ان کے مستقبل کے ایسے کارنامے اور ایسی روشن برکات کا بھی تذکرہ فرما دیا ہے جن کے بعد ان کی شناخت میں کوئی ادنیٰ تردد نہیں ہو سکتا۔ اب اگر آپ کے فرمودہ پر ایمان لانا ہے تو وہ واضح سے واضح انداز میں آپ کے سامنے موجود ہے اور اگر اپنے خیالات

مَعَ الْاَسَدِ جَمِیْعًا وَالنُّمُوْرُ مَعَ الْبَقَرِ وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ وَیَلْعَبُ الصِّبْیَانُ وَالْغِلْمَانُ بِالْحَیَّاتِ لَا یَضُرُّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَیَمْکُثُ مَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّمْکُثَ ثُمَّ یَتَوَفّٰی فَیُصَلِّیْ عَلَیْہِ الْمُسْلِمُوْنَ وَ یَدْفِنُوْنَہٗ ۔ مسند احمد صفحہ ۴۳۷ ج ۲

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۷

وہ نقشہ قائم ہوگا کہ اونٹ شیروں کے ساتھ اور چیتے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ایک دوسرے کو ذرا کوئی تکلیف نہ دے گا اسی حالت پر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا وہ رہیں گے پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان پر نماز جنازہ ادا کریں گے۔ اور ان کو دفن کردیں گے۔ (مسند احمد)

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۷

پر ایمان لاتا ہے تو یہود اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہی راستہ اختیار کرچکے ہیں کتب سماویہ صاف سے صاف انداز میں آپکے نام ونسب، آپکی شکل وشمائل اور آپ کے کارناموں کو کھول کھول کر بیان کرتی رہیں اور یہ بدنصیب ان سب کی تاویلیں کرکر کے آپکا انکار کرتے رہے۔ فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین ۔

۱۲۶۸ - عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ رضی قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے شہر کا نام اور اس شہر میں خاص محل نزول کا نام اور نزول کے وقت ان کا مکمل نقشہ اور انکے زمانہ کی برکات

۱۲۶۸ - نواس بن سمعان رضی روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے اتنی اہمیت سے دجال کا تذکرہ فرمایا کہ مارے دہشت کے ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں موجود ہے جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے اس دہشت و خوف کو محسوس کر لیا اور پوچھا تم ایسے

باقی برصفحہ ۱۵۶

۱۲۶۸ - اس حدیث میں دجال کا تذکرہ قدرے محل غور ہے۔ اس کے مباحث اپنے محل میں آئیں گے ان میں سے صرف ایک بات کی تشریح یہاں کرنی مناسب ہے۔ حدیث مذکور

وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ ذَاتَ غَدَاةٍ فَخَفَّضَ فِيهِ وَرَفَّعَ حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ فَلَمَّا رُحْنَا إِلَيْهِ عَرَفَ ذَالِكَ فِينَا فَقَالَ مَا شَأْنُكُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ غَدَاةً فَخَفَّضْتَ فِيهِ وَرَفَّعْتَ حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸

پریشان کیوں نظر آتے ہو ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلعم آپؐ نے صبح دجال کا ذکر اتنی اہمیت کے ساتھ فرمایا کہ ہم کو یوں معلوم ہونے لگا گویا وہ یہیں کسی باغ میں ہے آپ نے فرمایا مجھ کو تم پر دجال سے بڑھ کر دوسری باتوں کا زیادہ اندیشہ ہے دجال کا کیا ہے اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو تمہارے بجائے میں خود اس سے نمٹ لونگا ورنہ ہر شخص خود اس کا مقابلہ کرے اور

باقی بر صفحہ ۱۵۷

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۸

سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے زمانہ میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا۔ حتّٰی کہ اس ایک دن میں ایک سال کی نمازیں اداکرنی ہونگی۔ دن کی اس طوالت کی صورت کیا ہوگی؟ اس کا حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جب دنیا میں ان عجائبات کے ظہور کا زمانہ شروع ہو جائے گا تو عالم کے موجودہ نظم و نسق کے تحت ان واقعات کے حل کرنے اور سمجھنے کی کوشش کرنی بھی مفت کی دردسری ہے تاہم

النَّخْلُ فقال غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُنِي عَلَيْكُمْ اَنْ يَخْرُجَ وَاَنَا فِيكُمْ فَاَنَا حَجِيجُهُ دُونَكُمْ وَاِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَامْرُءٌ حَجِيجُ نَفْسِهِ وَاللّٰهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ - اِنَّهُ شَابٌّ قَطَطٌ عَيْنُهُ طَافِئَةٌ كَانَّ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۷۸

میں نے تم سب کو خدا کے سپرد کیا - دیکھو وہ جوان ہوگا اس کے بال سخت گھونگر والے اور اسکی آنکھ انگور کی طرح باہر کو ابھری ہوئی ہوگی بالکل اسی شباہت کا شخص سمجھو جیسا یہ عبد العزیٰ بن قطن ہے تو تم میں جو شخص بھی اس کا زمانہ پائے اس کو چاہیے کہ وہ سورہ کہف کی اوّل آیتیں پڑھ لے وہ شام اور عراق کی درمیانی گھاٹیوں سے ظاہر ہوگا اور اپنے دائیں بائیں ہر سمت بڑا ادھم مچائے گا تو اے اللہ کے بندو! دیکھو اس وقت ثابت قدم رہنا

باقی برصفحہ ۱۵۸

سلسلہ نمبر ۱۲۷۸

حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ "علامات قیامت" میں شیخ محی الدین ابن عربی سے نقل کیا ہے کہ مصائب و آلام کے ان ہنگاموں میں اگر عام گرد و غبار اور غلیظ ابر کی وجہ سے رات و دن ممتیز نہ ہو سکیں تو کچھ بعید نہیں ہے آج بھی معمولی بارشوں میں عصر و مغرب و عشاء کی نمازوں میں تقدیم و تاخیر ہو جانا معمولی بات ہے ذرا زیادہ

أَنْشَبُهُ بِعَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قَطَنٍ فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَءْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُورَةِ الْكَهْفِ۔ اِنَّهُ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثَ يَمِيْنًا وَعَاثَ شِمَالًا يَا عِبَادَ اللّٰهِ فَاثْبُتُوْا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا لُبْثُهُ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم وہ کتنے عرصہ تک زمین پر رہے گا۔ فرمایا چالیس دن لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک جمعہ کے برابر ہوگا۔ اس کے بعد بقیہ دن تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے ہم نے پوچھا جو دن ایک سال کے برابر ہوگا اس دن میں ہم کو ایک ہی دن کی نمازیں ادا کرنی کافی ہونگی

باقی بر صفحہ ۱۵۹

گرہن لگ جائے تو ظہر کا پتہ ملنا بھی مشکل ہے صبح کی نماز کا تو کہنا ہی کیا ہے پس بہت ممکن ہے کہ اس سب سے بڑے فتنے کے ظہور کے وقت جس طرح روحانیت کا عالم تاریک در تاریک ہوگا اسی طرح عالم عنصریات بھی گرد و غبار اور ابر و باراں کی وجہ سے اتنا مکدر اور تاریک ہو جائے کہ صحیح طور پر یہ اندازہ ہی ممکن نہ رہے کہ رات کب ختم ہوئی اور دن کب آیا۔ اور تھوڑے بہت فرق کے ساتھ فضائے عالم یکساں نظر آنے لگے ان حالات میں اس کے سوا اور کیا صورت ہوگی کہ اوقات نماز کا صرف ایک اندازہ

فِي الْأَرْضِ قَالَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا - يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَسَنَةٍ أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا اقْدُرُوا لَهُ قَدْرَهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا إِسْرَاعُهُ فِي الْأَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ فَيَأْتِي عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوهُمْ

فرمایا نہیں بلکہ ایک دن کی برابر نمازوں کا اندازہ کرکے نمازیں ادا کرتے رہنا ہم نے پوچھا وہ کس رفتار سے زمین پر گھومے گا۔ فرمایا اس تیز رفتار بادل کی طرح جس کو پیچھے سے ہوا اُڑائے لا رہی ہو وہ کچھ لوگوں کے پاس آکر ان کو اپنی خدائی پر ایمان لانے کی دعوت دے گا۔ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے وہ خوش ہوکر

باقی برصفحہ ۱۹۰

سلسلہ نوٹ ۱۲۶

رکھا جائے۔ رہا گھڑیوں کا سوال تو گھڑیاں موجود ہیں مگر سب جانتے ہیں کہ خاص عرب میں نمازوں کا تعلق اب بھی آفتاب کے طلوع و غروب ہی کے ساتھ ہے یعنی غروب آفتاب پر یہاں سب گھڑیوں میں ۱۲ بجا دیئے جاتے ہیں اس وجہ سے تمام سال میں یہاں مغرب و عشاء کا وقت کبھی نہیں بدلتا یعنی مغرب ہمیشہ ۱۲ بجے اور اس کے بعد عشاء ہمیشہ ڈیڑھ بجے کے قریب ہوتی ہے اور اس لئے روزمرہ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ گھڑی کو بھی موسموں کے لحاظ سے آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے دوسرے شہروں میں تاریخ کی تبدیلی

(تسلسل جاری)

فَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَجِيْبُوْنَ لَهٗ فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ فَتُمْطِرُ وَالْاَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوْحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ اَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرًى وَاَسْبَغَهٗ ضُرُوْعًا وَاَمَدَّهٗ خَوَاصِرَ ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوْهُمْ فَيَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ فَيَنْصَرِفُ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۵

آسمان کو بارش کا حکم دیگا فوراً بارش آجائے گی اور زمین کو حکم دے گا اسی وقت وہ سبزہ زار ہو جائے گی اور شام کو جب حیوانات چراگاہوں سے چر کر واپس ہوں گے تو ان کے اونٹوں کے کوہان پہلے سے زیادہ لمبے لمبے ان کے تھن پہلے سے زیادہ دودھ [illegible] اور انکی کوکھیں پہلے سے زیادہ تنی ہوئی ہونگی اس کے بعد وہ کچھ اور لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو بھی اپنی خدائی کی دعوت دے گا مگر وہ اس کو نہ مانیں گے جب وہ ان کے پاس سے واپس ہوگا تو یہ

باقی صفحہ ۱۶۱

سلسلہ نوٹ ۱۲۴۸

نصف شب کے بعد ہوتی ہے یہاں ہمیں اس پر گفتگو کرنی نہیں ہے کہ ان دونوں نظاموں میں کونسا نظام معقول اور بہتر ہے کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ موجودہ عقول کے سامنے مادی ہر مشکل مشکل ہے لیکن اس کے مقابلہ میں صحیح سے صحیح حدیثوں کا انکار یا تاویل کوئی مشکل نہیں اس لئے دماغوں میں یہ سوال گذر سکتا ہے کہ گھڑیوں کے بعد نمازوں کے اوقات میں

عَنۡهُمۡ فَيُصۡبِحُوۡنَ مُمۡحِلِيۡنَ لَيۡسَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ مِنۡ شَيۡءٍ مِّنۡ اَمۡوَالِهِمۡ وَيَمُرُّ بِالۡخَرِبَةِ فَيَقُوۡلُ لَهَا اَخۡرِجِيۡ كُنُوۡزَكِ فَتَتۡبَعُهٗ كُنُوۡزُهَا

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۹

بیچارے سب قحط میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے قبضہ میں کوئی مال نہ رہیگا (سب دجال کے ساتھ چلا جائے گا) پھر وہ ایک شور زمین سے گذریگا اور اسکو

باقی صفحہ ۱۶۲

اب کوئی مشکل نہیں ہو سکتی [۱]

اس کے علاوہ حدیث مذکور میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کی بھی کچھ تفصیلات

باقی صفحہ ۱۶۲

---

[۱] اس تفصیل میں اسوقت ہم جانا پسند نہیں کرتے کہ جس زمانہ میں ان مصنوعات کا تصور بھی دماغوں میں موجود نہو اس میں ایک امی قوم کے سامنے ان جدید آلات کا تذکرہ کرنا ایک سیدھی بات کے سمجھنے میں کتنی مشکلات کا باعث بن سکتا تھا غالباً اسی مصلحت سے یاجوج وماجوج کے خاص آلات حرب کے نام بھی تذکرہ میں نہ آئے ہوں پھر یہ کسکو خبر ہے کہ اٹمی طاقتوں کے استعمال کے نتیجہ میں آئندہ قوانین جنگ میں آلات حرب کی اجازت کس حد تک رہجائیگی بہرحال جب مستقبل حوادث کی متعلق یہ تفصیلات حدیث میں نہیں آئیں تو صرف اپنے دماغی سوال جواب سے ان ثابت شدہ تفصیلات کا انکار کرنا کسطرح مناسب. معلوم نہیں ہوتا جو صحیح طریقے سے معرض بیان میں آچکی ہیں ۱۲ ؛

كَيَعَاسِيبِ النَّحْلِ ثُمَّ يَدْعُوهُمْ رَجُلًا مُمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهُ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ الْغَرَضِ ثُمَّ يَدْعُوهُ فَيُقْبِلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ وَيَضْحَكُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ

یہ حکم دے گا "اپنے تمام خزانے باہر اگل دے" وہ سب کے سب اس کے پیچھے پیچھے اسطرح ہو لینگے جیسے مکھیوں کے سردار کے پیچھے پیچھے سب مکھیاں ہو جاتی ہیں اس کے بعد ایک شخص کو بلائے گا جو اپنے پورے شباب پر ہو گا اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر کے اتنی دور پھینک دے گا جتنا تیر انداز اور اس کے نشانہ لگانے کی جگہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر اس کو آواز دے کر بلائے گا وہ ہنستا کھلکھلاتا چلا آئے گا۔ ادھر وہ یہ شعبدہ بازیاں دکھلا رہا ہو گا ادھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو بھیجے گا وہ دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے اور دو

باقی صفحہ ۱۶۳

مذکورہ بیان کو خالی الذہن ہو کر بار بار پڑھیں پھر یہ سوچیں کہ عربی زبان کے مطابق کیا ان تفصیلات میں کسی مجاز و استعارہ کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ہم کو مجاز و استعارہ سے انکار نہیں مگر آپ کو بھی حقیقت سے انکار نہ ہونا چاہئے اگر سیاق کلام سے یہ واضح

عِنۡدَ الۡمَنَارَةِ الۡبَيۡضَاءِ شَرۡقِيَّ دِمَشۡقَ بَيۡنَ مَهۡرُوۡذَتَيۡنِ وَاضِعًا
كَفَّيۡهِ عَلٰى اَجۡنِحَةِ مَلَكَيۡنِ اِذَا طَاْطَاَ رَاْسَهٗ قَطَرَ وَاِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ
مِنۡهُ جُمَانٌ كَاللُّؤۡلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ رِيۡحَ نَفَسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَنَفَسُهٗ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸
زرد زعفرانی رنگ کی چادریں اوڑھے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر اپنے دونوں
ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے سر جھکائیں گے تو پانی کے قطرے ٹپکتے معلوم ہوں گے
اور جب اٹھائیں گے تو بالوں سے چاندی کے موتی گرتے محسوس ہوں گے جس
کافر کو ان کی سانس لگ جائیگی وہ زندہ نہ رہ سکے گا اور جہاں تک انکی نظر
کام کرے گی وہاں تک اُن کی سانس کا اثر بھی پہنچے گا وہ دجال کا پیچھا کریں گے
باقی بر صفحہ ۱۶۴

ترجمہ نوٹ ۱۲۶۸
ہو رہا ہے کہ یہاں متکلم نے یقیناً استعارہ و مجاز سے کام نہیں لیا تو بے وجہ کھینچ کھانچ
کر ایک حقیقت کو استعارہ و مجاز کا لباس پہنانا لاحاصل ہے۔

ابھی آپ حضرت ابن عباسؓ سے روایت پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
جب آسمان پر اٹھائے گئے تھے تو اس وقت ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک
رہے تھے یہ کرشمۂ قدرت ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو اس وقت بھی پانی

يَنْتَهِي إِلَى حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفَهُ فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ

ثُمَّ يَأْتِي عِيسَى قَوْمًا قَدْ عَصَمَهُمُ اللَّهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوهِهِمْ وَ

يُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَالِكَ إِذْ أَوْحَى اللَّهُ إِلَى

عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸

اور باب لد (بیت مقدس میں ایک مقام ہے) پر اس کو پکڑ لیں گے اور یہاں اس کو قتل

کر دیں گے۔ اس کے قتل سے فارغ ہو کر عیسٰی علیہ السلام پھر ان لوگوں کے پاس آئینگے

جو اس کے فتنے سے بچ رہے ہوں گے۔ اور ان کو تسلی و تشفی دیں گے اور جنت میں ان

کے مراتب کا حال بیان فرمائیں گے۔ پھر عیسٰی علیہ السلام پر وحی آئے گی کہ اب میری ایک ایسی

مخلوق نکلنے والی ہے جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں لہذا میرے بندوں کو کوہ طور

باقی بر صفحہ ۱۶۶

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۸

کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں گویا وہ غسل کر کے ایک دروازے

سے نکلے تھے اور پانی خشک ہونے سے پہلے اب دوسرے دروازے سے داخل ہو

رہے ہیں جس عالم میں نہ دن ہو نہ رات نہ سردی ہو نہ گرمی اور نہ صحت ہو نہ مرض پھر

اس عالم میں اگر پانی کے یہ قطرے بھی کسی تغیر سے محفوظ رہیں تو کوئی تعجب کی بات

فَحَرِّزْ عِبَادِی اِلَی الطُّورِ وَیَبْعَثُ اللّٰہُ یَاجُوْجَ مَاجُوْجَ وَھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ فَیَمُرُّ اَوَائِلُھُمْ عَلٰی بُحَیْرَۃِ طَبَرِیَّۃَ فَیَشْرَبُوْنَ مَا فِیْھَا وَیَمُرُّ اٰخِرُھُمْ فَیَقُوْلُوْنَ لَقَدْ کَانَ بِھٰذِہٖ مَرَّۃً مَاءٌ وَیُحْصَرُ نَبِیُّ اللّٰہِ عِیْسٰی

(۴۴)

کی طرف لے جاکر جمع کردو۔ پھر یاجوج وماجوج ہر پست زمین سے نکل پڑینگے پہلے ان کا گزر طبریہ کے (مقام کا نام ہے) پانی پر ہوگا وہ اسکو پی کر اس طرح ختم کردینگے کہ جب انکا آخری گروہ ادھر سے گزرے گا تو یوں کہے گا: یہاں پانی تھا۔ پھر بیت المقدس کے خمر پہاڑ پر پہونچینگے اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں کہیں گے ہم زمین والوں کو تو ختم

باقی بر صفحہ ۱۶۶

سلسلہ نوٹ نمبر ۱۲۶

نہیں ہے۔

پھر جس خدا تعالیٰ میں یہ قدرت ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کو پرندوں کی زندگی کا سبب بنادے اس میں یہ طاقت کیوں نہیں کہ اسی سانس کو وہ دجال کے حق میں سم قاتل قرار دیدے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ یا تو یہی قوت وہ ان کے صرف ایک اشارہ سے ہلاک کردے اور دوسری طرف یاجوج وماجوج کے مقابلہ سے عاجز بنا کر طور کی گوشہ نشینی پر مجبور کردے تاکہ ایک طرف دنیا کو یہ واضح

باقی بر صفحہ ۱۶۶

(۴۴) ما لم تہ یسیرون حتی ینتھوا الی جبل الخمر وھو جبل بیت المقدس فیقولون لقد قتلنا من فی الارض ھلمّ فلنقتل من فی السماء فیرمون بنشابھم الی السماء فیرد اللہ علیھم نشابھم مخضوبۃ دمًا"

عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَصْحَابُهُ حَتّٰى يَكُوْنَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِاَحَدِهِمْ خَيْرًا

مِّنْ مِّائَةِ دِيْنَارٍ لِاَحَدِكُمُ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَاَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِىْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸

کر چکے تو آؤ اب آسمان والوں کا بھی کام تمام کر دیں اور اپنے تیر آسمان کی طرف

پھینکیں گے قدرت ان کے تیروں کو خون آلود کر کے واپس کر دے گی ادھر

حضرت عیسٰی علیہ السّلام اور ان کی جماعت کوہ طور میں محصور ہوگی یہاں تک

کہ بیل کا ایک سر اتنا قیمتی ہو جائے گا جیسا آج تمہارے نزدیک سو دینار ہیں

اس تنگی کی حالت میں عیسٰی علیہ السّلام اور ان کی جماعت ملکر اللہ تعالیٰ کی طرف

متوجہ ہوگی ان کی دعا سے ان کی گردنوں میں پھوڑے نکل آئیں گے اور وہ سب کے

باقی بر صفحہ ۱۶۷

ہو جائے کہ جس پر دعویٰ الوہیت کی تہمت لگائی گئی تھی وہ تو مدعی الوہیت کا قاتل ہے

اور دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جائے کہ جس نے ایک مدعی الوہیت کو قتل کیا ہے

وہ خود خدا نہیں وہ تو ایک بیچارہ بشر ہے اور اسطرح طاقت و ضعف کے ان دونوں

مظاہروں میں اس خدائے قہار ہی کی طاقت کا جلوہ نظر آئے۔

باقی بر صفحہ ۱۶۷

كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَصْحَابُهُ اِلَى الْاَرْضِ فَلَا يَجِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ اِلَّا مَلَأَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَصْحَابُهُ اِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَاَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸

سب چشم زدن میں اس طرح چول بیٹھ کر مر جائیں گے جیسا ایک آدمی مرتا ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی واپس آئیں گے تو زمین پر کہیں بالشت بھر جگہ نہ ہوگی جہاں ان کے سڑے ہوئے گوشت کی بدبو اور چربی کا اثر نہ ہو عیسیٰ علیہ السلام اور انکی جماعت پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کریں گے اللہ تعالیٰ ایک قسم کا پرندہ بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی لمبی ہوں گی

باقی صفحہ ۱۶۸

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و طغیان کی طاقتوں کو قدرت نے پہلے ہی قدم پر سزا نہیں دی ہے بلکہ استدراج و امہال کا قانون برابر ان کے حق میں جاری رہا ہے فرعون و نمرود، شداد و ہامان کی داستانیں پڑھو تو تم کو ثابت ہوگا کہ جب کفر و طغیان اپنی پوری طاقت کو پہنچ چکا ہے تو اس کے ساتھ پاداش عمل کے قانون نے اپنا

باقی برصفحہ ۱۶۸

ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَا يَكِنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْاَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْاَرْضِ اَنْبِتِيْ ثَمَرَتَكِ وَرُدِّيْ بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَاْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّوْنَ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸

وہ ان کو اُٹھا اُٹھا کر جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا ڈال دیں گے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ مقام نہبل میں پھینک دیں گے پھر مسلمان ان کے تیر و کمان اور ترکشوں سے سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے اور آسمان سے اس زور کی بارش برسیگی کہ کوئی بستی نہ رہے گی اور جنگل میں کوئی خیمہ نہ بچے گا جس میں بارش نہ ہو یہاں تک کہ تمام زمین میں پانی کی نالیوں کی طرح پانی ہی پانی بہتا ہو گا پھر زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا کہ اپنے پھل اور اپنی سب برکت ظاہر کر دے تو وہ برکت ظاہر ہو گی کہ ایک

باقی بر صفحہ آئندہ

پڑا ہے پھر یہی برکت یہاں یاجوج ماجوج کے ساتھ بھی جاری ہو گی جب وہ آسمان والوں کے قتل سے مطمئن ہو جائیں گے تو پھر ایسے ہی طریقے سے ان کو ہلاک کیا جائے گا جو آسمان والے کی طرف سے ہو گا تا کہ عالم علوی کی شکست کا خواب سب غلط ہو کر رہ جائے۔

بِتَحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتَّى اَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ يَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَالِكَ اِذَا بَعَثَ اللهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقَى

(م) من الابل اللقوح اللقاح جمع لقحة الناقة واللقحة من البقر اللقوح الفئام من الناس القبيلة من الناس

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸

انارے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا اور اسکا چھلکا ان کے سایہ کے لئے کافی ہوگا اور اونٹنی کے ایک مرتبہ کے دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ ایک دودھ والی اونٹنی کئی کئی جماعتوں کے لئے کافی ہوگی اور ایک دودھ کی گائے ایک قبیلہ کو اور ایک دودھ کی بکری ایک چھوٹے خاندان کو کافی ہوگی مخلوق خدا اسی فراغت وعیش کی حالت میں ہوگی کہ ایک خوشگوار ہوا چلے گی اور اس سے مسلمانوں کی بغلوں میں پھوڑے نکل آویں گے اور ان سب کو موت آ جائیگی اور صرف بدترین قسم کے کافر بچ رہیں گے جو گدھوں کی طرح منظر عام پر زنا کرتے پھریں گے ان ہی پر

باقی بر صفحہ ۱۶۷

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۸

پھر دنیا کے خاتمہ پر وہی ایک دین رہ جائے گا جو حضرت آدم علیہ السلام سے دور سے شروع ہوا تھا اور آسمان وزمین کی وہی برکتیں ظاہر ہوں گی جو ان کے دور میں ظاہر ہو چکی ہیں۔ اور اس طرح سے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللہِ کَمَثَلِ آدَمَ کا دوسرا نقشہ بھی

باقی بر صفحہ ۱۷۰

شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ

- رواہ مسلم صفحہ ۴۰۲ ج ۲ - وابوداؤد صفحہ ۲۳۵ ج ۲ - ولفظ ثُمَّ

ينزل عيسى بن مريم عند المنارة البيضاء شرقي دمشق الحديث

والترمذی صفحہ ۴۷ ج ۲ وعزاه فی الکنز صفحہ ۲۶۵ ج ۱ لابن عساکر وفی

لفظ انهبط عيسى ابن مريم احمد فی مسنده صفحہ ۱۸۱ وصفحہ ۱۸۲ ج ۱ -

---

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۸

قیامت قائم ہوگی - (مسلم شریف)

اس روایت میں جو حصہ مقام اہبل کے بعد سے سات سال تک تیر وکمان جلائے گا ہے وہ امام ترمذیؒ کا روایت کردہ ہے -

---

آنکھوں کے سامنے ہوگا - خدا تعالیٰ نے کن حکمتوں سے عالم کو بچھایا، کن حکمتوں سے اس کو پھیلایا، پھر کن حکمتوں سے اس کو سمیٹے گا یہ خود وہی جانتا ہے ہم بے وجہ ہر جگہ ان کے سمجھنے کے لئے اپنی ٹانگ اڑاتے ہیں ؎

دریا بمحیط خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش بادیست

۱۲۶۹ - عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

شب معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے یہ تذکرہ کرنا کہ قیامت کی آمد کا صحیح وقت انکو بھی معلوم نہیں
مگر صرف یہ معلوم ہے کہ اس سے پہلے انکو دجال کو قتل کرنا ہے۔ اس میں دراصل انہوں نے
امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کا ایک فرض بھی کر لیا، لیکن یہ خدمت
دراصل خود امت ہی کے ایک شخص سے متعلق ہوگی اس کے بعد یہ عیسیٰ علیہ السلام
کی طرف منتقل ہو جائے گی

۱۲۶۹ - ابن مسعودؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے شب معراج

باقی صفحہ ۱۷۲

لَقِيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى قَالَ فَتَذَاكَرُوْا اَمْرَ السَّاعَةِ فَرَدُّوْا اَمْرَهُمْ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ لَا عِلْمَ لِيْ بِهَا فَرَدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ لَا عِلْمَ لِيْ بِهَا فَرَدُّوْا الْاَمْرَ اِلٰى عِيْسٰى۔

کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی انہوں نے باہم قیامت کا ذکر چھیڑا آخر فیصلہ کے لئے انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے سامنے معاملہ پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا مجھکو تو اس کے صحیح وقت کی کچھ معلومات نہیں پھر معاملہ موسیٰ علیہ السّلام کے سامنے آیا انہوں نے بھی اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا جب عیسیٰ علیہ السّلام کے سامنے معاملہ آیا تو انہوں نے

۱۲۶۹ - دیکھئے یہاں جب قیامت کا تذکرہ آیا اور جواب کی نوبت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر آئی تو انہوں نے اپنی لاعلمی کے ساتھ ساتھ فوراً اسی بات کا تذکرہ فرمایا جو قیامت کے ساتھ یقین کے اسی درجہ میں ہے یعنی ان کا پھر تشریف لانا اور دجال کو قتل کرنا احادیث میں کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے تشریف لانے کا اصل مقصد اس اُمت کی اصلاح ہوگی تاکہ یہ سوال پیدا ہو کہ اس اُمت کی اصلاح کے لئے اسرائیلی رسول کی آمد میں اس امت کی کسرشان ہے

فَقَالَ اَنَا وَجَبْتُهَا فَلَا يَعْلَمُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰی ۔ ذَالِكَ وَفِيْمَا عَهِدَ اِلَیَّ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ اَنَّ الدَّجَّالَ خَارِجٌ قَالَ وَمَعِیْ قَضِيْبَانِ فَاِذَا رَاٰنِیْ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الرَّصَاصُ قَالَ فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۹!

فرمایا قیامت کے آنے کا ٹھیک وقت. تو بجز ایک ذات اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے ہاں صرف اتنی بات میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ فرمایا ہے کہ دجال نکلے گا اور میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی اور جب اس کی نظر مجھ پر پڑے گی تو وہ اسطرح پگھل جائے گا جیسا جیسہ (آگ میں) پگھل جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسکو ہلاک کر دے گا ۔ پھر یہ نوبت آ جائے گی کہ درخت اور پتھر آوازیں دے دے کر کہیں گے اے مسلمان! دیکھ یہ میرے پیچھے کافر چھپا ہوا ہے لپک کر آ اور اسکا بھی خاتمہ کر آخر سب کافر ہلاک ہو جائیں گے جب لوگ اپنے اپنے شہر اور وطن کو واپس ہوں گے تو اس وقت یاجوج و ماجوج کی قوم کا حملہ ہوگا اور وہ ہر پست زمین سے

باقی صفحہ ۱۷۴

سلسلہ نوٹ ۱۲۶۹

حالانکہ یہ سوال ہی جاہلانہ سوال ہے ہم آج بھی خدا تعالیٰ کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے لئے نہ صرف یہ کہ یہ موجب شرف ہے بلکہ مدار نجات ہے تو پھر اگر کوئی رسول آکر

باقی صفحہ ۱۷۴

حتّٰی اِنَّ الْحَجَرَ وَالشَّجَرَ یَقُوْلُ یَا مُسْلِمُ اِنَّ تَحْتِیْ کَافِرًا فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ

قَالَ فَیُهْلِکُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی ثُمَّ یَرْجِعُ النَّاسُ اِلٰی بِلَادِهِمْ وَاَوْطَانِهِمْ

قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِکَ یَخْرُجُ یَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ کُلِّ

حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ فَیَطَئُوْنَ بِلَادَهُمْ لَا یَاْتُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا اَهْلَکُوْهُ

وَلَا یَمُرُّوْنَ عَلٰی مَاءٍ اِلَّا شَرِبُوْهُ ثُمَّ یَرْجِعُ النَّاسُ اِلَیَّ فَیَشْکُوْنَهُمْ

فَاَدْعُوْا عَلَیْهِمْ فَیُهْلِکُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَیُمِیْتُهُمْ حَتّٰی تَجْوَی الْاَرْضُ مِنْ

نَتْنِ رِیْحِهِمْ قَالَ فَیُنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمَطَرَ فَتَجْرُفُ اَجْسَادَهُمْ حَتّٰی یَقْذِفَهُمْ فِی الْبَحْرِ

قَالَ ابْنُ هَارُوْنَ ثُمَّ تُنْسَفُ الْجِبَالُ وَتُمَدُّ الْاَرْضُ مَدَّ الْاَدِیْمِ

ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی حَدِیْثِ هُشَیْمٍ۔ قَالَ فَفِیْمَا عَهِدَ اِلَیَّ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۰۹

نکل نکل کر بکھر پڑیں گے۔ بستیوں میں گھس جائیں گے جس جس چیز پر بھی ان کا گذر

ہو گا اس کو برباد کر ڈالیں گے اور جس پانی پر سے گذریں گے وہ سب پی کر ختم

کر دیں گے آخر لوگ شکایت لے کر میرے پاس آئیں گے میں ان پر بددعا

باقی بر صفحہ ۱۷۵

ہماری اصلاح کتاب تو ہمارے لئے اس میں کسر شان کی بات کیا ہے ہاں اگر کسی سوال

باقی بر صفحہ ۱۷۵

وابن ابی شیبہ وابن جریر المنذر وابن مردویہ والبیہقی
کذا فی الدر المنثور ص۳۳۶ ج ۴ ۔

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶۵

اس کے بعد پھر اصل حدیث بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اور منجملہ ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائی ہیں یہ ہے کہ جب ایسا ہو تو پھر قیامت اتنی نزدیک سمجھنا چاہئے جیسا وہ گابھن جانور جس کے بچے کی پیدائش کی مدت پوری ہو چکی ہو اور اس کے مالک ہر وقت اس انتظار میں ہوں کہ دن رات میں نہ معلوم کب بچہ پیدا ہو جائے۔

سلسلہ نوٹ ۱۳۶۹

بھی ہے۔ والعیاذ باللہ ۔

۱۲۷۰۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ مِنْ ذِکْرِ الدَّجَّالِ فَقَالَتْ اُمُّ فَتَنَا لبت اُبی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَیْنَ الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَالَ الْعَرَبُ یَوْمَئِذٍ قَلِیْلٌ وَجُلُّھُمْ بِبَیْتِ الْمُقَدَّسِ وَاِمَامُھُمْ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمات میں سب سے نمایاں خدمت دجال کو قتل کرنا ہے

۱۲۷۰۔ ابو امامہ باہلی دجال کی ایک طویل حدیث میں نقل کرتے ہیں کہ ام شریک نے کہا یا رسول اللہ اس دن (یعنی دجال کے زمانہ میں) عرب کہاں چلے جائیں گے (کہ مسلمانوں کا یہ ابتر حال ہو جائے گا)، فرمایا اس وقت عرب بہت کم رہ

باقی بر صفحہ ۱۷۸

۱۲۷۰۔ سبحان اللہ! جس شخصیت عظمیٰ کی برکات یہ ہوں وہ یقیناً کوئی معمولی انسان نہیں ہو سکتا ضرور وہ کوئی خدا تعالیٰ کا قدوسی نبی ہونا چاہئے اور یقیناً وہ کوئی ایسا ہی رسول ہونا چاہئے جس کے سب سے بڑے دشمن یہود ٹھہرے ہوں اور جس کے ہاتھ سے قتل کے

باقی بر صفحہ ۱۷۸

رَجُلٌ صَالِحٌ فَبَيْنَمَا إِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِمْ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحَ فَرَجَعَ ذَالِكَ الْإِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِي قَهْقَرَى لِيَتَقَدَّمَ عِيسَى لِيُصَلِّيَ فَيَضَعُ عِيسَى يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ

جائیں گے اور اکثر وہ بیت مقدس میں ہوں گے اور اس وقت ان کا امام ایک نیک شخص ہوگا۔ اس اثناء میں کہ یہ امام صبح کی نماز پڑھانے آگے بڑھ چکا ہوگا کہ دفعتاً عیسٰی علیہ السلام اتر آئیں گے یہ ان کو دیکھ کر مصلی سے پچھلے پیروں الٹے ہٹ آئیں گے تاکہ عیسٰی علیہ السلام کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھائیں تو عیسٰی علیہ السلام (شفقت کے انداز میں) اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے

باقی برصفحہ آئندہ

گھمنڈ میں ایک بار وہ ملعون ٹھہر چکے ہوں دوسری بار اسی کے ہاتھ سب موت کے گھاٹ اتار دئے جائیں۔ انبیاء علیہم السلام سے عداوت اور بغاوت کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ اس بدخصلت کی بدولت پہلے وہ نبوت سے محروم کر دے گئے تھے اور آخر میں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دئے جائیں گے بے شک جو قوم حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رافت و رحمت والے رسول کے ساتھ

باقی برصفحہ آئندہ

ثُمَّ يَقُولُ لَهُ تَقَدَّمْ فَتُصَلِّ فَإِنَّهَا لَكَ أُقِيمَتْ فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ
فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ افْتَحُوا الْبَابَ فَيُفْتَحُ وَرَاءَهُ
الدَّجَّالُ وَمَعَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ يَهُودِيٍّ كُلُّهُمْ ذُو سَيْفٍ مُحَلًّى وَتَاجٍ
فَإِذَا نَظَرَ إِلَيْهِ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ وَيَنْطَلِقُ
هَارِبًا وَيَقُولُ عِيسَى إِنَّ لِي فِيكَ ضَرْبَةً لَنْ تَسْبِقَنِي بِهَا فَيُدْرِكُهُ

آگے بڑھو اور تم ہی نماز پڑھاؤ کیوں کہ اس نماز کی اقامت تو تمہارے ہی نام سے
کہی گئی ہے۔ چنانچہ یہ نماز تو یہی امام پڑھائیں گے نماز سے فراغت کے بعد عیسیٰ
علیہ السلام فرمائیں گے دروازہ کھولو دروازہ کھولا جائے گا ادھر دجال نکل
پڑا ہوگا اس کے ہمراہ ستر ہزار یہودی ہوں گے ہر ایک کے پاس مزین تلوار اور سبز

باقی بر صفحہ آئندہ

بھی اپنا طریق کار نہ بدلے۔ ان کی وجہ سے دنیا کو پاک کرنے ہی میں انسانیت کی فلاح
ہے رَبِّ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔
شاید موجودہ زمانہ میں اطراف عالم سے سمٹ سمٹ کر ان کا ایک جگہ جمع ہونا اسی قوم کی
استیصال کے لئے پیش خیمہ ہو۔ حدیث مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ

عِنْدَ بَابِ اللّٰہِ الشَّرْقِیِّ فَیَقْتُلُہٗ فَیَھْزِمُ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ اِلٰی قولہٖ،
وَیَتْرُکُ الصَّدَقَۃَ فَلَا یُسْعٰی عَلٰی شَاۃٍ وَلَا عَلٰی بَعِیْرٍ وَتُرْفَعُ الشَّحْنَاءُ
وَالتَّبَاغُضُ وَتُنْزَعُ حُمَّۃُ کُلِّ ذَاتِ حُمَّۃٍ حَتّٰی یُدْخِلَ الْوَلِیْدَۃُ
یَدَہٗ فِی الْحَیَّۃِ فَلَا تَضُرُّہٗ وَتَفِرُّ الْوَلِیْدَۃُ الْاَسَدَ فَلَا یَضُرُّھَا وَیَکُوْنَ
الذِّئْبُ فِی الْغَنَمِ کَاَنَّہٗ کَلْبُھَا وَتُمْلَأُ الْاَرْضُ مِنَ الْمُسْلِمِ کَمَا یُمْلَأُ الْاِنَاءُ

سلسلہ حدیث ۱۷۰

طیلسان ہو گا جب دجال کی نظر عیسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی تو وہ نمک کی طرح گھل جائے گا۔ اور بھاگنے لگے گا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میرے لئے تیرے نام کی ایک ضرب مقدر ہو چکی ہے اس سے بچ کر تو مجھ سے کہاں نکل سکتا ہے آخر اسکو باب اللّٰہ الشرقی پر پکڑلیں گے اور اسکو قتل کر دینگے اور اللہ تعالیٰ سب یہودیوں کو شکست دیگا اسوقت مال کی اتنی کثرت ہو جائیگی کہ صدقہ دینے کیلئے کوئی فقیر نہ ملیگا لہٰذا

باقی صفحہ ۱۸۱

سلسلہ حدیث ۱۷۰

علیہ السلام کی تشریف آوری کا اہم مقصد دجال کا قتل کرنا ہے اور چونکہ اس کا مقابلہ براہ راست انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے اسی لئے ہر نبی نے اس کی آمد سے اپنی اُمت کو ڈرایا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ اس کے قتل کے لئے خدا تعالیٰ کے

باقی بر صفحہ ۱۸۱

من الماءِ وتکونَ الکلمۃُ واحدۃً فلا یُعبَدُ الاَّ اللّٰہُ تعالٰی ۔الحدیث اخرجہ ابوداود وابن ماجہ ص۳۰۸ واللفظ لہ ورواہ ابن حبان وابن خزیمۃ فی صحیحھما والضیاء فی المختارۃ نقلہ کذالک فی شرح الزرقانی صفحہ ۵۳ من ذکر المعارج

بیت المال کی طرف سے کوئی شخص نہ بکری وصول کرنے والا رہے گا اور نہ اونٹ وصول کرنے والا اور بغض وکینہ سب دلوں سے نکل جائے گا اور تمام زہریلے جانوروں کے ڈنک بیکار ہو جائیں گے یہانتک کہ ایک چھوٹی سی لڑکی سانپ کے سوراخ میں ہاتھ ڈالیگی تو وہ اسکو نہ کاٹیگا اور شیر کو دوڑائیں گے تو وہ اسکو کچھ نہ کہے گا اور بکریوں کے ریوڑ میں بھیڑیا اس طرح ساتھ ساتھ پھریگا جیسے ریوڑ کا کتا

باقی برصفحہ آئندہ

سلسلہ نوٹ ۱۷۰

رسولوں ہی میں سے کوئی رسول آئے جو چھوٹے چھوٹے دجال اس سے قبل بھی ظاہر ہوتے رہے وہ اسی امت کے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے لیکن جو دجال خاتم الدجاجلہ یعنی سب دجالوں کے آخر میں آئیگا اور خدائی افعال کی شعبدہ بازیاں کریگا اس کے قتل کے لئے ایک نبی ہی کی تشریف آوری ضروری تھی اس صورت میں اس امت کے لئے یہ کتنی بڑی عزت اور شرافت ہوئی کہ جب اس پر کوئی حملہ ہو تو ان کی ہمدردی کے لئے خدا تعالیٰ کے رسول

باقی برصفحہ آئندہ

المواھب اللدنیہ زرقانی ص۳۵۵ من ذکر العادج

۱۲۷۱ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۷۰

در زمین مسلمانوں سے اس طرح بھر جائیگی جیسے برتن پانی سے اور صرف ایک خدا کی توحید باقی رہجائیگی اور ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری و رسمیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کی برتری

۱۲۷۱ - جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

سلسلہ نوٹ ۱۲۷۰

پیش قدمی فرمائیں اور وہ بھی بڑی تمناؤں اور بڑے فخر کے ساتھ کیسے تعجب کی بات ہے کہ جس بات میں اس امت کی شرافت تھی اسی کو برعکس اہانت سمجھا جائے۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور۔

۱۲۷۱ - اس امت کی شرافت اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی کہ اس کے رسول کی وفات

سَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ قَالَ فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کے مقابلہ پر جنگ کرتی رہیگی اور وہ تا قیامت اپنے دشمنوں پر غالب رہیگی اس کے بعد آپ نے فرمایا آخر

پر اتنی طویل مدت گذر جانے پر بھی اس میں ایسے افراد موجود رہیں کہ اسرائیلی سلسلہ کا ایک مقدس رسول آکر بھی اس کی امامت کو برقرار رکھے اور اس کے پیچھے آکر نماز میں اس کی اقتدار کرے اور اس کا اعلان بھی کرے کہ جس کرامت و شرافت کے تم پہلے مستحق تھے اتنی مدت دراز کے بعد آج بھی تم اسی شرافت و کرامت کے مستحق ہو سوچئے اور ذرا انصاف فرمایئے کہ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام تشریف لاکر اس طرح اس امت کے پیچھے اقتدار نہ فرماتے تو کیا یہ ثابت ہو سکتا تھا کہ جو امت کل تک خیر امت کہی جاتی تھی آج بھی وہ اپنی اسی شرافت پر باقی ہے یوں تو پہلے نبیوں کے دور میں بھی امت کے افراد لایق تر گذرے ہیں مگر نہ کچھ مدت کے بعد ہی ان کا حشر کچھ نہیں ہو گیا جو نبوتوں کے مستحق تھے وہ لعنت کے تحت آگئے یا نہیں لیکن ایک یہ اُمت بھی ہے جسکی شرافت میں اتنی طویل مدت

فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ فَصَلِّ فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

عیسےٰ بن مریم اتریں گے (نماز کا وقت ہوگا) مسلمانوں کا امیر ان سے عرض کریگا

گذرنے پر بھی ذرا فرق نہیں آیا۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے جب ہم اس طرف بھی نظر کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر آخرت کے وقت بھی ایک نماز کا نقشہ یہی تھا کہ مرض الموت میں آپ نے منصب امامت کو اپنی امت کے سب سے بزرگ صدیق اکبرؓ کے سپرد کردیا تھا اس درمیان میں ایک ایسا وقت آیا کہ ان کی امامت میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور درحقیقت یہ اس کا اعلان تھا کہ یہ اُمت اب اس کمال کو پہنچ چکی ہے کہ ایک رسول کی نماز اس کے پیچھے ادا ہوسکتی ہے لہذا اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ رسول کی آمد کا جو مقصد اعظم ہوتا ہے وہ پورا ہوچکا ہے اس لئے رسولوں کے دستور کے مطابق اُن کی وفات کا وقت بھی آجائے تو تعجب کی بات نہیں ایک طرف امامت واقتدار کا یہ نقشہ آپ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھئے اس کے ہزار سال سے

أُمَرَاءُ تَكْرِمَةُ اللّٰهِ عَلٰى هٰذِهِ الْأُمَّةِ - رواہ مسلم ص ۱۷ و احمد فی

تشریف لائیے اور نماز پڑھا دیجئے۔ وہ فرمائیں گے کہ نہیں ہو سکتا۔ اس

کہیں زیادہ مدتوں کے بعد امامت و اقتدار کا یہ دوسرا نقشہ بھی سامنے رکھئے جو یہاں
حدیث میں آپ کے سامنے موجود ہے تو آپ کو بداہتہً ثابت ہو جائے گا کہ جس مدت
میں پہلی اُمتیں ہلاک ہو ہو کر دنیا سے نیست و نابود ہو چکی ہیں یہ امت اس سے زیادہ
مدت گزرنے پر بھی اپنی اسی شرافت و کرامت پر باقی ہے جو کبھی اسکو اپنے عہد کمال
میں حاصل تھی۔ اس سے جہاں ایک طرف اس امت کی بزرگی کا ثبوت ملتا ہے اس
سے بڑھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمٰی اور آپکے کمالات کا ثبوت
ملتا ہے اور یقین کرنا پڑتا ہے کہ آپ حقیقی معنی میں خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی
نبی نہیں بن سکتا کیونکہ جب قیامت تک آپکی اُمت میں اس صفت کے لوگ موجود
رہیں کہ اگر کوئی قدیم رسول آئے تو بے تکلف وہ ان کے پیچھے نماز ادا کرلے تو اس
سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ آخری رسول ہیں اور آپکے بعد کسی رسول کی ضرورت
باقی نہیں ہے۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ اصل وظائف رسالت و نبوت

مسند ہ صفحہ ۳۴۵/۳ و صفحہ ۳۸۴/۳ -

امت کا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکرام و اعزاز ہے کہ تم خود ہی ایک دوسرے

خدائی دین کی تاسیس و اشاعت ہے کسی خاص شخص کا قتل کرنا اصل وظائف رسالت میں داخل نہیں ہے خدا تعالیٰ کے بہت سے رسول نبی جو قتل کرنے کی بجائے خود دشمنوں کے ہاتھوں مقتول ہو گئے ہیں مگر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے وظیفہ نبوت کی ادائیگی میں ذرا سا بھی قصور کیا تھا۔ والعیاذ باللہ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جدید رسالت کی حیثیت میں تشریف لائیں گے بلکہ یہ خدا کسی حکمت سے ان کے سپرد کی گئی ہے۔ جیسا کہ بہت سے امور حضرت خضر علیہ السلام کے سپرد کئے ہوئے مگران عجائبات سے ان کی رسالت کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا چنانچہ آج تک امت میں اختلاف ہے کہ وہ رسول تھے یا نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی بنی اسرائیل کے لئے صاحب شریعت رسول ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ان پر ہر امت کو ایمان لانا یہ ان کی رسالت کا حق ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ شریعت صرف آپکی شریعت ہے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

۱۲۷۲۔ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

کے امام و امیر ہو۔ (مسلم شریف)

۱۲۷۲۔ عثمان بن ابی العاص روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

بھی آکر اسی کی اتباع فرمائیں گے بلکہ اگر حضرت موسٰی علیہ السلام صاحب توریت بھی آجائیں تو
ان کے لئے بھی شریعت یہی شریعت ہوئی اگر کوئی کامل سے کامل رسول کسی بڑی شریعت
کا اتباع کرتا ہے تو اس سے اس کی نبوت و رسالت میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق پیدا
نہیں ہوتا بہت سے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں جنکی اپنی کوئی شریعت نہ تھی لیکن پھر
خدا تعالٰی کے نبی کہلائے۔ پھر جو شریعت کہ سب شرائع کی جامع ہو اگر کوئی رسول
اس کی اتباع کرتا ہے تو اس میں اس کی رسالت کے خلاف کیا بات ہے لہٰذا یہ
سوال کتنا نامعقول ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو کیا رسالت کی صفت
ان سے سلب کرلی جائے گی جی نہیں وہ رسول ہی ہوں گے اور جسطرح اسوقت ہم ان
پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح اس وقت بھی ان پر ایمان رکھینگے صرف اتباع شریعت
کا مسئلہ ہے تو جب ہر رسول کی اپنی شریعت میں نسخ و منسوخ ہونے اس میں کوئی

عَلَیہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ (فذکر الحدیث وفیہ) وَیَنْزِلُ عِیسیٰ بْنُ مَرْیَمَ

علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز میں اتریں گے تو اس

فرق نہیں آتا اسی طرح اگر ایک شریعت منسوخ ہو کر دوسری شریعت آجائے تو اس سے بھی
اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس کے کمالات وہی ہیں اس پر ایمان رکھنا اسی طرح ضروری
ہے اور جس شریعت کی وہ دعوت دے اس کا اتباع ہر وقت لازم ہے پس پہلے
زمانہ میں ان کی شریعت انجیل تھی اور نزول کے بعد اب ان کے لئے قرآن کریم شریعت ہوگا
پہلے جب وہ شریعت انجیل کے داعی تھے اسوقت قرآن کریم نہ تھا اور جب وہ تشریف
لائیں گے تو ان سے پہلے انجیل منسوخ ہو چکی ہو گی اور ان کے سامنے قرآنی شریعت ہوگی
لہٰذا اب وہ خود بھی اسی کا اتباع فرمائیں گے۔ کسی شریعت کے خاص خاص احکام یا
شریعت کے منسوخ ہو جانے سے رسالت کے مسلوب ہونے نہ ہونے کا سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال نہ یہاں پیدا ہوتا ہے اور نہ اس حدیث میں پیدا ہوتا ہے
جو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر بالفرض وہ آکر آپ کی شریعت کی اتباع کریں
تو کیا اپنی رسالت سے معزول ہو جائیں گے۔ والعیاذ باللہ۔

عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فيقول له اَمِيْرُهُمْ يَا رُوْحَ اللّٰهِ تَقَدَّمْ صَلِّ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ اُمَرَاءُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ فَيَتَقَدَّمُ اَمِيْرُهُمْ فَيُصَلِّيْ فَاِذَا قَضٰى صَلٰوةً اَخَذَ عِيْسٰى حَرْبَتَهٗ فَيَذْهَبُ نَحْوَ الدَّجَّالِ فَاِذَا يَرَاهُ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الرَّصَاصُ فَيَضَعُ حَرْبَتَهٗ بَيْنَ ثَنْدُوَتِهٖ فَيَقْتُلُهٗ وَيَنْهَزِمُ اَصْحَابُهٗ لَيْسَ يَوْمَئِذٍ شَيْءٌ يُوَارِيْ مِنْهُمْ اَحَدًا حَتّٰى اَنَّ الشَّجَرَةَ لَتَقُوْلُ يَا مُؤْمِنُ هٰذَا كَافِرٌ وَيَقُوْلُ الْحَجَرُ يَا مُؤْمِنُ هٰذَا كَافِرٌ ۔ اخرجه احمد فی مسنده ص۲۱۶ و ص۲۱۷ ج۴ بطریقین واخرجه ابن ابی شیبہ والطبرانی والحاکم

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۷۲

وقت مسلمانوں کا جو امیر ہوگا وہ ان سے عرض کرے گا کہ اے روح اللہ آگے تشریف لاکر نماز پڑھائیے۔ وہ فرمائیں گے کہ یہ اُمت اپنی فضیلت کی وجہ سے خود ہی ایک دوسرے کی امیر ہے۔ اس پر وہ امیر آگے بڑھکر نماز پڑھائیں گے جب نماز ختم ہو جائیگی تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنا نیزہ لیکر دجال کی طرف جائیں گے۔ جب وہ ان کو دیکھے گا تو اسطرح پگھل جائے گا جیسا آگ پر سیسہ پگھل جاتا ہے۔ وہ اپنا نیزہ اس کے سینہ کے درمیان لگائیں گے اور اسکا کام تمام

وصححه كذا في الدر المنثور ص٢٤٣/٢ وعن جابر نحوه - وهكذا عند ابي يعلى عنه وفيه انت احق بعضكم امراء على بعض اكرم الله به هذه الامة كذا في الحاوي للسيوطي ص١٢٧/٢ وليست هذه الرواية في رسالة الشيخ قدس سره وفي رواية فيقول له عيسى انما اقيمت الصلوة لك فيصلي خلفه كذا في البداية والنهاية ص٩٦/٢ -

١٢٧٣ - عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهٗ نَبِيٌّ يَعْنِيْ عِيسٰى - وَاِنَّهٗ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ

سلسلہ ترجمہ حدیث ١٢٧٢

کردیں گے اور اس کا سب گروہ منتشر ہو جائے گا - اور کوئی چیز ان کو پناہ نہ دیگی یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی یہ کہے گا کہ اے مومن (میری آڑ میں) یہ کافر موجود ہے (اسکو بھی قتل کردے)

دوسری روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب اس طرح منقول ہے کہ اس نماز کی اقامت آپ ہی کے نام کی ہوئی ہے یہ کہکر وہ ان ہی کے پیچھے نماز ادا کریں گے - انبیاء علیہم السلام میں سے چونکہ سب سے زیادہ قریب زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا ہے اسلئے بوقت ضرورت ان کا نزول مناسب ہے

١٢٧٣ - ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

فَاعْرِفُوهُ رَجُلٌ مَرْبُوعٌ اِلَی الْحُمْرَةِ وَالْبَیَاضِ بَیْنَ مُمَصَّرَتَیْنِ کَاَنَّ رَأْسَهُ یَقْطُرُ وَاِنْ لَمْ یُصِبْهُ بَلَلٌ فَیُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَیَدُقُّ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُهْلِكُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ کُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَیُهْلِكُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ثُمَّ یُتَوَفّٰی فَیُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ - رواہ ابوداؤد ص ۱۳۵/۲ واخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد فی مسندہ ص ۴۳۷/۲ وابن

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۷۳

میرے اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے وہ ضرور اتریں گے جب تم ان کو دیکھنا تو پہچان لینا کہ وہ میانہ قد سرخ و سفید رنگ کے اور دو زعفرانی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے ان پر وہ شگفتگی و تازگی ہوگی یوں معلوم ہوگا کہ ان کے سر مبارک سے پانی کے قطرے اب ٹپکے اگرچہ ان پر پانی کی نمی بھی نہ ہوگی۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے صلیب کو چورا چورا کر ڈالیں گے سور کو قتل کریں گے جزیہ کی رسم اٹھا دیں گے ان کے دور میں اللہ تعالیٰ تمام مذاہب ختم کر دے گا اور صرف ایک مذہب اسلام باقی رہ جائے گا۔ اور ان کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرے گا

حبان فی صحیحہ وابن جریر کذا فی الدر المنثور ص۲۴۲ج۲ وصححہ الحافظ فی الفتح من نزول عیسیٰ علیہ السلام۔

۱۲۷۴۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیُھِلَّنَّ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ بِالْحَجِّ اَوْ بِالْعُمْرَۃِ اَوْ لَیُثَنِّیَنَّھُمَا جَمِیْعًا (رَوَاہُ مُسْلِمٌ فی الحج) واخرجہ احمد فی مسندہ ولفظہ یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَمْحُو الصَّلِیْبَ وَتُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ وَیُعْطِی الْمَالَ حَتّٰی لَا یُقْبَلُ وَیَضَعُ الْخَرَاجَ وَیَنْزِلُ الرَّوْحَاءَ فَیَحُجُّ مِنْھَا

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۷۳

چالیس سال تک وہ زمین پر زندہ رہیں گے۔ اس کے بعد ان کی وفات ہو گی اور مسلمان اُن پر نماز جنازہ ادا کریں گے۔ (ابو داؤد)

حضرت عیسیٰ کا نزول، حج کرنا۔ روضہ اقدس پر آکر آپ کو سلام کرنا۔ اور آپ کا انکو جواب دینا

۱۲۷۴۔ ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور مقام فج روحاء پر حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے (مسلم شریف) مسند احمد میں حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اتریں گے سور کو قتل کریں گے، صلیب کا نام ونشان باقی نہ چھوڑیں گے اور مال اتنا تقسیم کریں گے کہ اسکو قبول کرنے والا نہ ملے گا اور جزیہ وخراج

اَوْ لَیُثَنِّیَنَّهُمَا جَمِیعًا اَوْ یَجْمَعُهُمَا وَتَلَا اَبُوْهُرَیْرَةَ رضؓ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا فَزَعَمَ حَنْظَلَةُ اَنَّ اَبَاهُرَیْرَةَ قَالَ یُؤْمِنُ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی فَلَا اَدْرِیْ هٰذَا كُلُّهٗ حَدِیْثُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمْ شَیْءٌ قَالَهٗ اَبُوْهُرَیْرَةَ رضؓ - مسند احمد ص۲۹۰ ج ۲ واخرجہ ابن جریر مثلہ والحاکم وصححہ ولفظہ یہبطن ابن مریم حکمًا عدلًا و اماما مقسطا ولیسلکن فجا حاجا او معتمرا ولیأتین قبری حتی یسلم علی ولارُدّن علیہ یقول ابوھریرۃ رضؓ ای بنی اخی ان رأیتموہ فقولوا ابوھریرۃ رضؓ یقرئک السلام - (در منثور ص۲۴۵ ج ۲ -

---

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۶
اٹھا دیں گے اور مقام فج روحاء میں حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے اس کی شہادت میں ابوہریرہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی (ان من اَهل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا) یعنی اہل کتاب میں کوئی شخص ایسا نہ رہیگا جو ان کی وفات سے پہلے یقیناً ان پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت میں عیسٰی علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے حنظلہ (راوی حدیث) کہتے

۱۲۷۵ - عن عبد اللہ ابن عمرؓ مرفوعاً ینزل عیسیٰ بن مریم الی الارض فیتزوج و یولد لہ الحدیث - رواہ الکتاب الوفاء و اخرجہ ابن الجوزی فی المدینة و ابن الجوزی فی المنتظم کذا فی الکنز و ھکذا فی المشکوٰۃ -

۱۲۷۶ عن ابی ھریرۃ رضہ مرفوعاً طوبیٰ لعیش بعد المسیح یؤذن السماء

سلسلہ ترجمہ حدیث ۱۲۷۴

ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں ابوہریرہؓ نے کہا "قبل موتہ" سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پیشتر ہے اب یہ مجھ کو معلوم نہیں یہ تفسیر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے یا یہ خود ابوہریرہؓ نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کے بعد شادی کرنا پھر اولاد ہونی آپ کی وفات اور مقام دفن کا ذکر

۱۲۷۵ - عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ بن مریم زمین پر اتریںگے اور نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔

۱۲۷۶ - ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد زندگی اور فارغ البالی ہے کیا کہنے آسمان کو بارش کا حکم ملجائیگا اور زمین کو پیداکش کا حتیٰ کہ اگر تم تخم پر دانہ ڈالدوگے تو بھی وہ جم جائے گا اور اتنا امن ہوگا

فی القطر ..... ویوذن الارض فی النبات حتی لو بذر حبک فی الصفا لنبت وحتی یمر الرجل علی الاسد فلا یضرہ ویطاء علی الحیۃ فلا تضرہ ولا تشاحن ولا تباغض۔ اخرجہ ابو سعید النقاش فی فوائد العراقیین کذا فی الکنز ۲۰۲ و ۲۰۳ ج ۷۔ ابو سعید عنہ۔

۱۲۷۷۔ عن محمد بن یوسف عبد اللہ بن سلام عن ابیہ عن جدہ قال مکتوب فی التوراۃ صفۃ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعیسی بن مریم یدفن معہ اخرجہ الترمذی وحسنہ۔ (کذا فی الدر المنثور ص ۲۴۲ ج ۲) قلت

کہ شیر آدمی کے قریب گذریگا اور اسکو نقصان نہ پہنچائیگا اور بغض و کینہ کا نام و نشان نہ رہیگا۔

۱۲۷۷ عبد اللہ بن سلام کہتے تھے کہ توراۃ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی لکھی ہے کہ عیسی علیہ السلام آپکے پاس دفن ہونگے۔

۱۲۷۷ عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسی علیہ السلام کے حق میں اولی الناس کا لفظ فرمایا تھا۔ اس کا ظہور یوں ہوا کہ اول تو آپکے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں گذرا گویا دونوں کے زمانے متصل متصل ہے بلکہ اسی مناسبت کیوجہ سے وہ آپکی امت میں تشریف لائینگے اور یونہی ہو کر دفن بھی آپکے پاس ہی کئے ہونگے زمانی و مکانی اور ہر طرح کی خصوصیات انکے سوا کسی نبی کو نصیب نہ آئینگی

وقد تکلم فی اسنادہ الحافظ ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ ص۹۹ ج۲
وقال فی سناد روایۃ الترمذی ھذہ عثمان بن الضحاک والصواب الضحاک بن عثمان المدنی

۱۲۷۸ - عَنْ عبد اللہِ بن سَلامٍ قال یُدْفَنُ عیسٰی مَعَ رَسُولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ فیکُوْنُ قبرہٗ رابعًا اخرجہ البخاری فی تاریخہ والطبرانی (در منثور ص۲۴۵ ج۲)۔

۱۲۷۹ - عَنْ عائشۃ رض قالت قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللہِ اِنِّیْ اُرٰی اَنِّیْ اَعِیْشُ مِنْ بَعْدِکَ فتأذن لی ان اُدْفَنَ اِلٰی جنبک فقال واَنّٰی لی بذالک مِنْ موضعٍ ما فیہ الّا موضع قبری وقبر ابی بکر وعمر وعیسی بن مریم (اخرجہ ابن عساکر کذا فی الکنز ص۲۶۸ ج۷ فی فصل الخطاب باسناد المستغفری فی دلائل النبوۃ)

۱۲۷۸ - عبد اللہ بن سلام رض بیان کرتے تھے کہ عیسٰی علیہ السّلام آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دو ساتھیوں یعنی ابوبکر رض اور عمر رض کے پاس دفن ہونگے اور اس لحاظ سے انکی قبر چوتھی ہوگی۔

۱۲۷۹ - حضرت عائشہ رض فرماتی تھیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ میرا خیال ہوتا ہے شاید میں آپ کے بعد تک زندہ رہونگی تو آپ مجھکو اسکی اجازت دیں کہ میں آپکے پہلو میں دفن ہوں آپ نے فرمایا میں اسکی بھلا کیسے اجازت دیسکتا ہوں یہاں تو صرف میری قبر اور ابوبکر رض وعمر رض کی قبر اور عیسٰی علیہ السّلام کی قبر مقدر ہے۔

(تممت بالخیر)

وَإِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ

(ترجمہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک مجسم علامت ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رفع ونزول حدیثی و عقلی

روشنی میں

نزولِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

(مؤلف)

استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد بدر عالم صاحب

(ناشر)

سردار الحاج محمد میر عالم خان لغاری

(ادارہ)

ادارۂ نشریات اسلام۔ رحیم یار خان (پاکستان)